



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَّابُ۔۔۔۔۔"

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔۔"

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya "](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔

مکتوب

از قلم: صالحہ ایمان

قسط نمبر: 4, 5

کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا

"بھوربن میں واپسی"

تاریخ : 17 ستمبر

وقت : صبح ناشتے کا

جگہ : پی۔سی ہوٹل ، بھوربن

اب ہم واپس چلتے ہیں اس وقت میں جہاں سے ہماری کہانی کی شروعات ہوئی تھی۔

"بھوربن کی طرف۔"

پی سی ہوٹل میں بنے ریستورانٹ میں اس وقت سب ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔

احمر اپنے دوستوں کے ہمراہ ایک ٹیبل پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

احمر کی بلی ٹپسی (tipsy) اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی تھی۔ دفعتاً ایک لڑکی سامنے والی کرسی پر بیٹھی۔ احمر کنکھیوں سے اسے دیکھ سکتا تھا۔ ٹپسی احمر کے پاس سے اٹھ کر اس لڑکی کے پاؤں کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ وہ ہر کسی کے پاس چلی جانے والی بلی نہیں تھی لیکن اس لڑکی کے پاس جانے میں اس نے وقت نہیں لگایا تھا۔ احمر نامحسوس سا مسکرایا۔ (چلو کسی کے پاس تو گئی)

اگلے مناظر اسے کنکھیوں سے نظر آرہے تھے۔

اس لڑکی نے بلی کو اپنی گود میں اٹھا لیا تھا۔

بلی بھاگ گئی۔

لڑکی اس کے پاس گئی اور گھٹنے کے بل بیٹھ گئی۔

"اوہ! کیا ہوا؟ پیاری بلی بھاگ کیوں گئی؟"

اس کی آواز... احمر کو کھانسی آئی۔ نوالہ اُس کے حلق میں پھنس گیا۔

وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔

وہ نسوانی آواز بہت.... بہت مانوس تھی۔ بہت زیادہ مانوس.....

اسے لگا تھا کہ اب یہ آواز کبھی نہیں سن سکے گا لیکن آج.... آج قسمت نے کس جگہ اور کیسے ملوا دیا تھا۔

کیا دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں۔۔۔

کھانس کھانس کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ بدوقت اس نے پانی پیا۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس پانی میں اس کے ماضی کی یادیں گھل گئیں اور مختلف مناظر پانی کی سطح پر تیرنے لگے

اور ماضی کی یادوں کی باسی ہوائیں ایک دم پھر سے تازہ ہو گئی تھیں۔

کچھ لڑکے اسے بُلی کر رہے تھے...

پونی ٹیل والی لڑکی اسے افسوس سے دیکھ رہی تھی.....

وہ اسے سمجھا رہی تھی.....

وہ بچ پر بیٹھی لولی پاپ کھا رہی تھی.....

وہ پرنسپل آفس میں اس کے ساتھ گئی تھی....

وہ پلر کے پاس کھڑی کسی کی منتظر تھی....

اس کے ہاتھ سے ایک لڑکی کی تصویر چھوٹ کے گر گئی تھی....

وہ اس کے پاس لائبریری گئی تھی.....

وہ اسے اس کی نئی دوست سے محتاط رہنے کو کہہ رہا تھا....

وہ اس سے دوستی کرنے کو کہہ رہا تھا....

اس نے انکار کر دیا تھا....

وہ سکول کا آخری دن تھا...

وہ جا رہا تھا....

وہ آسمان کی طرف دیکھ کر زخمی سا مسکرایا تھا....

ماضی کے منظر پانی میں ہی گھل گئے وہ حال میں واپس آ گیا تھا۔

کیا وہ وہی تھی یا اس کا وجدان؟؟

اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ آہستہ سے سر گھمایا۔ سیاہ لمبے بالوں والی لڑکی بلی کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔

وہ اسے پہچان گیا تھا لیکن کیا وہ اسے پہچان پائے گی؟

وہ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے اس کے پاس گیا۔

اس کی آواز پر لڑکی نے سر اٹھایا۔

ہاں وہ وہی تھی۔

چھوٹی آنکھوں والی....

چشموں والی...

مسکراتی لڑکی....

علیزے رئیس سکندر----

وہ آج بھی بالکل ویسی ہی تھی۔

سب ویسا ہی تھا۔

بس وقت بدل گیا تھا۔

"یہ گوشت نہیں کھاتی۔" اس نے بلی کو اٹھایا اور بات کا آغاز کیا۔

اس کا انداز شرارتی سا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جو ناجانے کہاں سے آگئی تھی اور اب ساتھ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

علیزے جانے لگی تو اس سے بات کرنے کا جو بھی بہانہ اس وقت سوچھا اس نے اپنا لیا۔ اسے لگا تھا شاید وہ اسے کچھ دیر دیکھے گی، بات کرے گی تو پہچان لے گی لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ہی چلی گئی۔

احمر نے بھی اسے بتانے کی کوشش نہیں کی۔

اس نے کیوں نہیں بتایا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

اس کے جانے کے بعد اس نے اپنے وائلٹ سے ایک تصویر نکالی۔ وہی مسکراتا چہرہ ... چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔۔

علیزے بالکل ویسی کی ویسی تھی صرف آنکھوں پر اس کے فیورٹ چشمے نہیں تھے۔ جبکہ احمر بالکل بدل گیا تھا۔ نیچر کے اعتبار سے بھی اور شکل و صورت سے بھی۔ اس کے بکھرے بال اب ماتھے پر گرتے نہیں تھے۔ اس کا سنجیدہ چہرہ اب مسکرانے والا بن گیا تھا۔

اس نے خود کو بہت حد تک گروم کر لیا تھا اس لیے اتنے سالوں بعد کسی کو بھی اسے پہچاننے میں وقت لگنا تھا۔

وہ اکیلا رہنے والا احمر نہیں رہا تھا۔

وہ جہاں جاتا تھا محفل لگا دیتا تھا۔

کیا تھا جس نے اسے اس حد تک بدل دیا تھا؟

احمر کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے نہیں پہچانے گی۔

ایک پل کو اس نے سوچا کہ جانے دے۔۔۔ لیکن دل ... دل کسی کی کہاں مانتا ہے۔

دل نے اسے جھنجھوڑا۔ اسے ایک دفعہ اور کوشش کرنی چاہیے۔

یاد آگیا تو ٹھیک ورنہ یہ وقت وہ خراب نہیں کرے گا...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کے وقت وہ یونہی چہل قدمی کر رہا تھا۔ ساتھ وہ اپنی امی سے فون پر بات کر رہا تھا جب اس کی نظر علیزے پر پڑی۔ وہ اپنے ساتھ بیٹھے کسی لڑکے سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ شاید اس کا بھائی تھا۔ اس کی شکل علیزے سے کافی حد تک ملتی تھی۔

یہ ایک اور اتفاق تھا یا قسمت کا اشارہ کہ وہ بار بار نظروں کے سامنے آرہی تھی۔

اسی اثناء میں اس نے لڑکے کو وہاں سے اٹھتے دیکھا تو فون بند کیا اور خاموشی سے وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ اسے بولتا دیکھتا رہا۔ اس کا بولنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

بار بار ذہن ایک نکتے پر سوچ رہا تھا کہ کیا اس نے مجھے پہچانا ہوگا۔ کیا وہ جان بوجھ کے چھپا تو نہیں رہی۔ شاید پیچھا چھڑوانے کی کوشش۔

اونہوں - ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ زیادہ مت سوچو احمر۔

پھر موقع محل دیکھ کر اس نے بات کی۔ تھوڑا تنگ کیا جو اس کی عادت کا خاصا تھا۔

جب اس نے چائے میں چینی ڈالنے کے متعلق پوچھا تو اس نے ایسا ہی جواب دیا کہ وہ زہر ملانے کا سوچتی۔

بلاشبہ وہ بہت تیکھے مزاج کی تھی۔

ویسے بھی لڑکیوں کو چائے بنانے یا دینے کا کہہ دو تو پہلا ردِ عمل یہی ہوتا ہے۔

اس نے دیکھا کہ علیزے نے فوراً بات گھما دی تھی۔ یعنی وہ صحیح تھا۔ وہ زیرِ لب مسکرایا۔

اب اس سے پہلے کہ اس کا بھائی آتا (جیسا کہ اس نے بتایا تھا وہ اس کا بھائی ہے) اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ لیکن اس سے پہلے اسے کہانی کا دوسرا رخ بتانا تھا۔

اور پھر اس کو اس کے خیالات سمیت وہیں چھوڑ کر وہ چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کو جب سب آگ کے گرد بیٹھے اپنی ٹیم بنا رہے تھے تو علیزے اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ علیزے نے اسے واضح گھوری سے نوازا لیکن وہاں فرق کسے پڑتا تھا۔ اس نے بھی ڈھٹائی کے ریکارڈز قائم کیے۔ جانتا تھا وہ اپنی ان حرکتوں سے اسے تیار رہا ہے اور وہ تپ بھی رہی ہے لیکن اس لڑکی کو تنگ کرنے میں بھی الگ ہی مزا تھا۔

احمر شاعری میں اچھا تھا۔ جو نظم علیزے نے شروع کی تھی وہ احمر ایک دو بار پہلے بھی سن چکا تھا۔ لہذا اس نے بھی سنا ڈالی۔ اس سے علیزے کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔ لیکن وہ کچھ کہنے کی بجائے اٹھ کے چلی گئی تب ہی احمر کو کچھ اچنبھا ہوا۔

اس کی وہ بیسٹ فرینڈ اس کے ساتھ نہیں آئی۔ وہ جو ہر وقت اس کے ساتھ ہوتی تھی آج نہیں تھی۔

وہ جس کی وجہ سے علیزے نے ایک دفعہ اسے انکار کیا تھا۔

وہ جس کی وجہ سے احمر کا دوستی سے بھروسہ اٹھا تھا۔ اور بھی بہت کچھ بدل گیا تھا اس میں۔

احمر کو یاد تھا اس نے خود اس کی مدد کرنے کی حامی بھری تھی۔ جب وہ اس کی کچھ بھی نہیں لگتی تھی

وہ خوش مزاج تھی۔

اور اب والی علیزے اتنے تیکھے مزاج والی ... پیچھا چھڑانے والی وہ کتنا بدل گئی تھی۔
کیا تھا جس نے اسے اتنا بدل دیا تھا۔

کیا اس کی وہ دوست اس کے ساتھ اب بھی تھی یا نہیں۔ اگر ہاں تو قسمت پھر سے اسے اس کے سامنے کیوں لائی تھی۔

اسی بات کا جواب جاننے کے لیے وہ اس کے پیچھے گیا۔

"ایک منٹ بات سنیں۔"

"اب کیا مسئلہ ہے؟" وہ اکتائی ہوئی لگتی تھی۔ احمر گڑبڑا گیا اسی لیے جو دل میں آیا وہی بول دیا۔

"دوستی کریں گی مجھ سے؟"

"میں انجان لوگوں سے دوستی نہیں کرتی۔۔۔"

تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اب اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اس کی سالوں پرانی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ وہ اسے چھوڑ چکی تھی۔

قسمت بھی کیسے کھیل کھیلتی ہے۔ اب شاید اس کی زندگی میں آنا کافی مشکل تھا لیکن وہ ہار نہیں مانے گا یہ تو طے تھا۔

احمر نے جب دھوکہ دینے والی بات کی تب بھی علیزے کو کچھ یاد نہ آیا لیکن وہ اس بات پر پھٹ پڑی۔ وہ واقعی ہرٹ ہوئی تھی لیکن اس کا ارادہ اسے ہرٹ کرنے کا بالکل نہیں تھا۔ اس نے معذرت کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اُس کو جلی کٹی سنا کر چلی گئی۔ جاتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

علیزے کے جانے کے بعد وہ وہیں کھڑا ٹھہلتا رہا۔ اسے بُرا لگا تھا اس کو ہرٹ کرنا۔ اب اس کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا۔ احمر کو بہت گلٹ فیل ہو رہا تھا۔ وہ وہیں گھاس پر بیٹھ گیا اور اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں علیزے گم ہوئی تھی۔ پیچھے سے کوئی چلتا ہوا اس تک آیا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ احمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ اس کا وہی دوست تھا جس نے رات میں آنا تھا۔ اسے دیکھ کر احمر مسکرا دیا اور کھڑا ہو کر بغل گیر ہوا۔

"قلندر۔۔ شکر ہے آپ جناب بھی تشریف لے آئے۔"

"میں نہ آتا تو تم مجھے قتل کرنے کا ارادہ بنا چکے تھے۔"

اس بات پر وہ ہلکا سا ہنسا۔ دونوں وہیں گھاس پر بیٹھ گئے۔ قلندر نے اسے پریشان دیکھا تو پوچھا، وہ احمر کا بہت پرانا دوست تھا۔ وہ اس پر بھروسہ کرتا تھا اسی لیے اسے سب بتا دیا۔

اس سے باتیں کر کے وہ تھوڑا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

رات ہو لے ہو لے سر کرنے لگی اور صبح کی پہلی پو پھوٹی۔

احمر اس وقت اس لوبی میں تھا جہاں علیزے کا کمرہ تھا۔ رات اس نے علیزے کو اپنے کمرے میں آتے دیکھا تھا اسی لیے اُسے کمرے کا پتہ تھا۔ کافی دیر وہیں کھڑے رہنے کے بعد علیزے کمرے سے باہر آتی دیکھائی دی۔ وہ اُسی لوبی کے آخری سرے پر ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑا تھا۔

وہ کہیں جا رہی تھی۔ شاید یہی صحیح وقت تھا معذرت کرنے کا۔ اور ایک بات تو اس نے سیکھ لی تھی غلطی کرو تو فوراً معافی مانگ لو کیونکہ وقت کی معیاد ہر کوئی نہیں دیتا۔

احمر فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ علیزے کا رخ جنگل کی طرف تھا۔

جنگل میں جہاں علیزے پانی پینے رُکی تھی، اُس کے چند قدم آگے چلنے کے بعد احمر بھی وہیں رُک گیا اور پہلی بار بولا۔

"سنا تھا کہ چشموں کا پانی میٹھا ہوتا ہے آج پی کر بھی دیکھ لیا۔ یہ تو واقعی بہت میٹھا ہے۔ آپ کو کیسا لگا؟"

احمر جانتا تھا کہ وہ ابھی تک غصے میں ہوگی۔ اسی لیے بغیر جواب دیے چلی گئی۔ لیکن اُسے معذرت کرنی تھی۔

"رکو، پلیز، میری بات سنو میں کل رات کے لیے معذرت کرنے آیا ہوں۔"

مگر علیزے اس کی نہیں سن رہی تھی ظاہر ہے انکور کر رہی تھی۔ وہ چلتی جا رہی تھی وہ اس کے پیچھے تقریباً بھاگ ہی رہا تھا۔

"دیکھو رک جاؤ ورنہ میں ہاتھ پکڑ کر روک لوں گا۔"

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری دھمکی سے ڈر جاؤں گی تو ایسا نہیں ہے۔"

"دھمکی نہیں ہے سچ بول رہا ہوں۔"

"پھر بولتے رہو۔"

جب اس نے ہاتھ پکڑ کر روکنے کا کہا تب بھی اس نے اثر نہ لیا۔ وہ بھی صرف اسے روکنے کے لیے کہہ رہا تھا کیونکہ وہ ایک مرد تھا اور ایک عورت کی اجازت کے بغیر اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ اُسے اپنی حدود کا پاس تھا۔

دوسری بار بھی علیزے نے اسے جلی کٹی سنائی۔ اس کے جواب میں وہ کچھ کہتا کہ اس نے علیزے کے پاؤں کے پاس سانپ رینگتا دیکھا۔

"Don't move"

"تمہارے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ ہے؟"

(کبھی جو وہ بات سمجھ کر ری ایکٹ کرے۔۔ نہ)

"کم عقلمند لڑکی۔ تمہارے پاؤں کے پاس سانپ ہے۔ ہلنا مت۔" بس یہیں پر اس کی ساری دلیری زمین بوس ہو گئی۔

احمر نے آس پاس دیکھا کہ کوئی چیز نظر آجائے جس سے وہ اسے ہٹا سکے کوئی پتھر یا کوئی لکڑی۔

علیزے کو لگا وہ اسے مار دے گا۔

"اس کو مارنا مت پلینز۔"

اس شخص نے رک کر اسے دیکھا۔ سانپ چاہے ان محترمہ کو کاٹ لے اور انہیں کچھ ہو جائے، خیر ہے۔ بس سانپ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

پاس ہی اسے ایک لکڑی ملی اور تھوڑی دور ایک ڈبہ۔ وہ دونوں چیزیں لے آیا۔ بہت احتیاط سے اس نے پہلے لکڑی سے سانپ کو ہلایا اور پھر اس کے رد عمل سے پہلے ہی اس کے اوپر ڈھکن رکھ دیا۔ علیزے کی سانس میں سانس آئی۔

"اب ہٹ بھی جاؤ یہاں سے کیا دوبارہ اس کے نکلنے کا انتظار کر رہی ہو۔"

وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی۔

"ڈبہ ہٹا دو، ورنہ وہ مر جائے گا۔"

اس وقت بھی اسے اس سانپ کے مرنے کی فکر تھی جو اسے کاٹ سکتا تھا۔ احمر کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

کتنی معصوم تھی وہ۔۔

اس نے سانپ بھی ہٹا دیا۔ لیکن اس لڑکی کے مزاج میں رتی برابر بھی فرق نہ آیا۔

پھر علیزے وہاں سے چلتی بنی۔ احمر کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

ایک تو اسکی مدد کی اور بجائے شکریہ کہنے کے وہ موڈ دکھا رہی ہے۔ وہ پھر سے اسکے پیچھے گیا۔

"اگر تم نے میری مدد کر دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

"لیکن میں معافی مانگ تو رہا ہوں۔"

"اب معافی مانگنے کا وقت گزر چکا ہے۔"

احمر اپنی رات کی حرکت کی وجہ سے واقعی شرمندہ تھا اور جب تک علیزے معاف نہ کر دیتی اُسے چین نہ آتا۔ اس لیے وہ بار بار اسی موضوع کو چھیڑ رہا تھا۔

اور جب علیزے نے اس سے پوچھا کہ کیا اس کا معافی مانگنا اتنی اہمیت رکھتا ہے؟ احمر نے اسکی آواز میں ایک درد محسوس کیا تھا۔

اُسے ہرٹ ہوا تھا۔ وہ لوگوں کو پہچاننے میں بہت اچھا تھا۔ اور اس وقت اس لڑکی کو یوں بکھرا ہوا دیکھ کے اسے بہت بُرا لگا تھا۔ وہ اس کی کچھ بھی نہیں تھی۔ لیکن بہت کچھ بنتی جا رہی تھی۔

جہاں اُسے اُمید تھی کہ اب علیزے معاف کر دے گی وہیں اس نے سختی سے جھڑک دیا اور جانے کا کہہ دیا۔

احمر اُف کر کہ رہ گیا۔ وہ اپنا درد چھپانے کیلئے سختی کا لبادہ اوڑھ گئی تھی۔ وہ بالکل بھی اچھی اداکار نہیں تھی۔

اب وہ اور کیا کہتا۔ بس اک آخری بار کوشش کرنی تھی اور اس دفعہ اُس نے پیچھا چھوڑ دینے کا کہہ دیا۔

"بس میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"وہی تو اب نہیں کر سکتا۔"

اس نے ارادی طور پہ نہیں کہا تھا بس دل سے نکل گیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیوں ایسا کہہ رہا تھا۔ بس اب یہ آخری بار تھا۔ اب وہ اس کا پیچھا نہیں کرے گا۔ وہ رک گیا اور اُسے جانے دیا۔

لیکن رُکیں ذرا اس نے کہا تھا وہ پیچھا نہ کرے ، یہ تو نہیں کہا تھا کہ آگے سے نہ آئے۔
بس اسی بات کو جواز بنا کہ وہ سائیڈ سے ہوتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔ اور اسی وقت علیزے پلٹی تھی۔

یہ وہ وقت تھا جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اب تو طہ تھا کہ وہ اسے کچا چبا جائے گی۔
اس وقت احمر خان زادہ کا جی چاہا کہ وہ "کھل جا سم سم" بولے ، جادوئی دروازہ کھلے اور وہ وہاں سے غائب ہو جائے۔

لیکن.....

جو ہوا وہ اس کی سوچ کے برعکس تھا۔

نہ وہ اس پر چلائی ، نہ غصہ کیا اور نہ ہی کچھ اٹھا کر مارنے کا سوچا۔۔۔

بلکہ۔۔۔

وہ ہنس پڑی۔۔

کیا وہ واقعی ہنس رہی تھی۔

ہاں .. وہ ہنس رہی تھی۔

وہ کھکھلا کر ہنس رہی تھی۔

وہ ہنس رہی تھی اور اسے لگا ساری کائنات ہنس رہی ہے۔

ایک دم زندگی حسین لگ رہی تھی۔

ہاں وہ اس کی کچھ نہیں تھی لیکن اب بہت کچھ بنتی جا رہی تھی۔

اس نے اعتراف کیا تھا۔۔

وہ لڑکی جو اس کے مزاق کرنے پر بھی نہ ہنسی تھی ، اب ایک معصومانہ حرکت پر کھکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اسے یوں ہنستے دیکھ وہ بھی لبوں پر مسکراہٹ سجائے اسے دیکھے گیا۔

وہ باتوں کے پیچھے درد چھپانا جانتی تھی ، وہ باتوں کو پلٹنا جانتی تھی لیکن پھر بھی وہ اچھی اداکار نہیں تھی۔

وہ ایک انجان شخص سے اجنبیوں سے بھی زیادہ اجنبی والا رویہ اپنا رہی تھی ، ، ایک چھوٹی سی غلطی پر بھی معاف نہیں کر ہی تھی ، اگر اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اس طرح برتاؤ کر رہی تھی تو کوئی بڑی وجہ ضرور ہوگی۔ ورنہ ایک نارمل انسان اب تک بات بھلا کر معاف کر دیتا۔

احمر کو اس پر بے تحاشا ترس آیا۔



اس بار احمر اسے منانے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں جنگل میں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

علیزے کی باتوں میں اور ہنسی میں اس نے واضح تلخی دیکھی اسی لیے بر وقت بات دوستی پر لے آیا۔ اور وہ کامیاب بھی ہو جاتا اگر وہ فون کال نہ آتی۔۔۔

احمر کا فون واٹس ایپ پر تھا۔ جب فون نکال کر دیکھا تو چونک گیا۔ اسے اس فون کال کی اس وقت توقع نہیں تھی۔ اور کال پک کرنا بھی ضروری تھا۔

"جب سے دنیا والوں نے دل توڑا ہے تب سے ان چیزوں سے دل لگانا سیکھ لیا ہے۔ اسی لیے بھی شاید کسی کی ضرورت نہیں ہے اور دوست کی تو بالکل بھی نہیں۔"

اس وقت علیزے اس سے بات کر رہی تھی اور وہ سن بھی رہا تھا لیکن ابھی یہاں سے جانا زیادہ ضروری تھی۔ وہ بنا کچھ کہے چلا گیا۔ جانتا تھا اسے برا لگے گا وہ دوستی نبھانے سے پہلے ہی چلا آیا تھا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ بعد میں کسی طرح مداوا کر لے گا۔

کچھ دیر بعد انھوں نے بھور بن کی طرف سیر کرنے نکلتا تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ کی لابی میں چلتا اپنے فون پر مصروف تھا جب ساتھ والی لڑکی نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس نے نظریں محسوس کرتے ہوتے اس جانب دیکھا تو علیزے کو اپنے ساتھ چلتا دیکھ اس کے قدم سست پڑ گئے۔

صبح والا واقعی یاد آیا۔

لیکن یہ صحیح وقت نہیں تھا اس سے سوری بولنے کا۔

اپنی صبح والی حرکت اسے یاد تھی اور ابھی وہ اس کے لیے معافی مانگتا تو کل تک اس نے معاف کرنا تھا اور کل انھوں نے واپس جانا تھا۔ اور وہ یہ وقت گوانا نہیں چاہتا تھا۔

یونی والے اگر ایک دو دن کا پلان آگے کر بھی لیتے تب بھی احمر کو کل ہر صورت واپس جانا تھا۔ اسی لیے وہ یہ چند لمحات فضول ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ علیزے کے مزاج سے بھی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی، اسی لیے غیر شناسا پن دکھا کر گزر گیا۔

بس کی طرف جاتے ہوئے اسے پھر سے کال آگئی اور وہ بات کرتے کرتے جنگل والی سائڈ پر نکل گیا۔ جب واپس آیا تو بس نکل چکی تھی۔ وہ اس ارادے سے جا رہا تھا کہ بس میں اس سے بات کر کے دیکھے گا شاید کچھ بن جائے لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

اس نے آس پاس دیکھا۔ ایک گھوڑا اسے نظر آیا۔

آنکھیں چمکیں۔

گھڑ سوار سے بات کی اور کچھ وقت کے لیے گھوڑا مانگ لیا۔

ضرورت کے وقت تو گدھے کو باپ بنانا پڑتا ہے چلو اچھا ہے اس وقت گھوڑا مل گیا۔

اور احمر خان زادہ تو ایسا چشم و چراغ تھا کہ خچر بھی دستیاب ہوتا تو اس کو بھی استعمال کر لیتا۔

وہاں پہنچ کر اس نے گھوڑا ایک طرف لگا دیا اور رکھوالی کے لیے ایک دکاندار کو کہہ دیا۔ پھر بازار چلا آیا۔ رنگا رنگ قسم کے ٹھیلے لگے تھے۔ دکاندار اپنے نرالے انداز میں صدائیں لگا کر سیاحوں کا دھیان

اپنی طرف کر رہے تھے۔ احمر علیزے کو دور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جیولری کی چیزیں دیکھ رہی تھی (آہ ہر لڑکی کا کریز)

پاس ہی احمر کو ایک بچی نظر آئی جو ہاتھوں پر مہندی کے اسٹیمپ لگا رہی تھی۔ احمر اس کے پاس گیا اور کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اسے وہ دن یاد آیا۔ آج سے دس سال پہلے جب وہ فائو کلاس میں تھے۔ ایک دفعہ عید کے بعد اس نے علیزے کے ہاتھ پر مہندی دیکھی تھی وہ ایک ہاتھ کو وہ بار بار دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے ملا رہی تھی۔

"تمہارے ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟" اس کا ہاتھ سرخ تھا۔

علیزے نے احمر کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔

"الرجی۔"

"مہندی سے الرجی؟"

"ہاں مجھے مہندی سے الرجی ہے۔ اس میں کیمیکلز ہوتے ہیں نا اس لیے۔"

"تو پھر لگواتی کیوں ہو؟" احمر اس کی بیوقوفی پر تاسف ہوا۔

چشمے والی لڑکی مسکرائی۔

"مجھے مہندی بہت پسند ہے اور یہ reaction پہلی بار نہیں ہوا۔ اب تو عادت ہی ہو گئی ہے۔"

"اتنا بھی کیا کریز۔"

"میں اپنے شوق پر کامپروماز نہیں کرتی۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں لیکن تم organic مہندی لگاؤ۔ اس سے reaction نہیں ہو گا۔ یہ عام مہندی کلرڈ ہوتی ہیں۔ یہ sensitive سکن کے لیے صحیح نہیں ہوتیں۔ ابھی کم الرجی ہے کبھی زیادہ بھی تو ہو سکتی ہے احتیاط کرنا زیادہ بہتر ہے۔"

"آپ کو کچھ چاہیے؟" مہندی والی لڑکی کی آواز اسے حال میں لے کر آئی۔

"یہ مہندی جو تم لگا رہی ہو یہ کلر ہے یا اصل مہندی؟"

"یہ کلر ہے زیادہ دنوں تک نہیں رہتی۔"

"مطلب کیمیکل والی ہے۔"

"نہیں صاحب یہ کیمیکل نہیں ہے۔ سادہ کلر ہے۔"

"اچھا۔" کچھ سوچا۔

"تم رکو میں واپس آتا ہوں۔"

پھر ایک نظر علیزے کو دیکھا جو جیولری اسٹالز کی طرف تھی اور دوسری طرف بھاگ گیا۔

"آپ کے پاس organic مہندی ہو گی؟"

ایک دکاندار کے پاس اس نے رک کر پوچھا۔ دکاندار نے ہیزل آنکھوں والے لڑکے کو دیکھا۔

"کون سا مہندی چاہیے؟" وہ دھوپ کے باعث آنکھیں سیڑ کر بولا۔ وہ اس سیاح کو آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھ رہا تھا۔

"لالا اصلی والا مہندی ہو گا۔" احمر اس کی نا سمجھی سمجھ گیا تھا اسی لیے اسی کے لہجے میں بولا۔

"ہاں ہے نا تم کو کتنا چاہیے؟" اب کی بار وہ چہک کر بولا تھا۔

اس کا جواب سن کر احمر کی آنکھیں چمکیں۔

دکاندار مہندی لے آیا اور اس کو تھمائی۔

"یہ لو۔ بالکل اصلی ہے تمہارا بہن کے ہاتھ پر بہت اچھا رنگ آئے گا۔"

اس کے منہ سے بہن کا لفظ سن کر احمر اسے دیکھتا رہ گیا۔

ہائے یہ سادہ لوگ اور ان کی سادہ سوچ....

احمر مسکرا کر چلا گیا۔

مہندی لے کر وہ واپس لڑکی کی طرف جا رہا تھا جب اس نے دیکھا۔۔۔

ایک آدمی ایک بچے کو کام خراب کرنے پر ڈانٹ رہا تھا۔ احمر نے دور کھڑے ہو کر ہی صدا لگائی۔

"لالا کیوں ڈانٹتا ہے، بچہ ہے وہ ابھی۔ بعد میں یہی تمہارا بچہ پالے گا۔"

اس کی بات پر آس پاس کے سب دکاندار اور گاہک ہنس پڑے۔ سب سے جاندار قہقہہ اسی آدمی کا تھا جو بچے کو ڈانٹ رہا تھا۔

وہ مہندی لے کر اس بچی کے پاس آگیا۔

"یہ لو۔ ابھی یہاں ایک لڑکی آئے گی۔ وہ دیکھو وہ والی۔ شاید وہ مہندی نہ لگوائے لیکن تم اسے کہنا کہ یہ اصلی ہے organic ہے۔ پھر لگوائے گی ٹھیک ہے۔" لڑکی مسکرا دی۔

اس کے قریب اسے چند پھول اور کچھ چیزیں نظر آئیں۔

"یہ کیا ہے؟"

"بریسلیٹ بنانے کا سامان ہے۔ میں خود بناتی ہوں۔"

"اچھا پھر مجھے بھی بنا کر دو۔"

لڑکی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میرا مطلب تھا اسی لڑکی کے لیے بنوا رہا ہوں۔"

"اچھا آپ مجھے بتا دیں اپنی پسند کا۔"

پھر اس نے پھولوں کا رنگ بتایا، کونسے موتی لگانے ہیں، کیسا بنانا ہے، وہ بتاتا گیا اور لڑکی بناتی گئی۔

"خوبصورت۔ بے حد خوبصورت۔"

اسے ہاتھ میں پکڑ کر اس نے دیکھا پھر اسے واپس پکڑا دیا اور چلا گیا۔ توقع کے مطابق علیزے وہاں آئی اور مہندی لگوائی۔

واقعی !! وہ اپنے شوق پر کپڑے مائز نہیں کرتی تھی۔

بچی نے اسے بریسلٹ بھی دے دیا۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

ایک طرف بچے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ احمر بھی ان کے پاس چلا گیا۔ کوئی بھی اب باری لینے کو تیار نہ تھا تو احمر نے باری لے لی۔ علیزے یہ ساری کاروائی دیکھ رہی تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا

-

بچوں کے ساتھ تھوڑا سا کھیل کر وہ علیزے کی جانب آگیا۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ علیزے کب سے کچھ دیکھ رہی ہے لیکن لے نہیں رہی۔ اس سے شاید سیلیکٹ نہیں ہو رہا تھا۔ اسی لیے اس نے علیزے کی مدد کر دی پھر اسی کے ساتھ ہو لیا۔

"کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟" ناجانے کس احساس کے تحت اس نے یہ پوچھا تھا۔ ایک پل کے لیے احمر کو لگا کہ شاید اسے کچھ یاد آیا ہو،، شاید اس نے احمر کے بارے میں سوچا ہو۔۔۔۔۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا۔۔۔ شاید کبھی آنا ہی نہیں تھا۔

وہ ویسے بھی خوش تھا۔ اس لڑکی کا ماضی اتنا کامپلیکس تھا کہ اسے کچھ اور یاد دلانا اسے اچھا نہیں لگا۔ اسی لیے اس نے ماضی کو چھوڑ کر حال میں رہنے کی ٹھان لی۔

کسی اور وقت اسے یاد دلا دے گا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک ڈھابے کی طرف بڑھ گئے۔ احمر کڑک چائے بنانے میں ماہر تھا۔ اسے کسی اور کے ہاتھ کی بنی چائے پسند نہیں تھی اسی لیے خود ہی بناتا تھا۔ وہ چائے والے سے بات کر کے خود چائے بنانے لگا۔

پھر دو کپ لے کر علیزے کے پاس گیا۔ علیزے کو اس کے ہاتھ کی بنی چائے پسند آئی تھی۔ اس کا رویہ بھی اس کے ساتھ کافی بدل گیا تھا۔

احمر کو اچھا لگا۔

واپسی کے وقت اس نے علیزے کو بس کی طرف بھیج دیا اور خود اس بچی تک آیا۔ اس سے بات کی ، چاکلیٹ دی اور گھوڑا لے کر واپس چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل واپس پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ قلندر وہاں نہیں تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹنے کے انداز میں گر گیا۔ چہرہ چھت کی طرف تھا۔ ذہن میں بار بار علیزے کا چہرہ آرہا تھا۔

ایک وقت تھا جب وہ سب کچھ چھوڑ کر دور آ گیا تھا۔ بس ایک تصویر تھی جو اس کے ساتھ رہتی تھی

جب وہ خود کو اکیلا محسوس کرتا تو اس کی تصویر نکال کر باتیں کرنے لگتا۔

دس سال دس سال پہلے اس نے آخری دفعہ اسے دیکھا تھا۔

اور آج دس سال بعد وہ اسے یوں اچانک دیکھ رہا تھا۔

کیا دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں ؟

کیا اسے اپنی قسمت پر رشک نہیں آنا چاہیے تھا ؟

وہ اسی وقت اٹھا، وضو کیا اور دو نفل ادا کیے۔

پھر قرآن پاک کھول کر بیٹھ گیا۔

اس نے انگلیوں کی پوروں سے اللہ کی پاک کتاب کے صفحات پر ہاتھ پھیرا۔ پھر آنکھیں بند کیں اور جس صفحے پر ہاتھ رکھا اسے کھول لیا۔

اسی طرح بند آنکھوں سے پاک الفاظ پر ہاتھ پھیرا۔ ایک جگہ پر اس کا ہاتھ رک گیا۔

آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ اور اس آیت کو پڑھا۔

"کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا۔"

چہرہ خوشگوار سی مسکراہٹ میں ڈھل گیا۔

ہاں اس کا رب اس کے دل کے حال سے واقف تھا۔

رب بندے سے کب غافل رہ سکتا ہے بھلا۔

آج بھی اس کے رب کے پاس اس کے سوال کا جواب تھا۔

ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے اگر چاہت سچی ہو۔

اس نے قرآن پاک بند کیا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور پھر سینے سے لگا کر آنکھوں موند لیں۔

اندر تک سکون اتر رہا تھا۔ دل ہی دل میں دعا کی اور کچھ دیر ایسے ہی رہنے کے بعد اٹھ گیا۔

کل وہ لوگ واپس جا رہے تھے۔ پھر ناجانے اس سے دوبارہ ملاقات ہو یا نہ ہو۔

لیکن اس سے پہلے اسے ایک کام کرنا تھا۔

سب تیار تھا۔ بس اس چیز کو ایک ڈبے میں ڈال کر اس تک پہنچانا تھا۔ یہ کام ایک ورکر کے ذریعے اس نے کر دیا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اب وہ اس سے دوبارہ مل سکے گا یا نہیں۔ اسی لیے یہ چیز اس تک پہنچانی تھی۔ وہ اسے ابھی پہچانتی نہیں تھی۔

یہ واحد چیز تھی جسے دیکھ کر علیزے اسے پہچان سکتی تھی۔

وہ چاہتا تو سامنے سے بھی دے سکتا تھا لیکن جس طرح سے ان کی ملاقات ہوئی تھی اور جو حالات اب تک رہے تھے، انھیں دیکھتے ہوئے اس نے سامنے سے دینے کا ارادہ بدل لیا۔ لیکن یہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے وقت وہ سوئمنگ پول کے قریب بیٹھ گیا۔ آج بہت عرصے بعد وائلن بجانے کا دل کیا تھا۔ پانی پر چاندنی سفید موتیوں کی طرح گر رہی تھی۔ پانی کی لہریں اس کی پیٹھ پر سفید چمکتا عکس چھوڑ رہی تھیں۔

وہ وائلن بجانے میں اتنا مگن تھا کہ کب علیزے وہاں آئی اسے پتہ نہ چلا۔ اس کی گنگناہٹ سن کر اس کی ہاتھوں میں سست روی آگئی۔

آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ سامنے تھی۔

وہ ایک بھولی بھٹکی دعا کی طرح اس تک پہنچ گئی تھی۔

یا کسی نیکی کا صلہ بن کر اس تک پہنچی تھی۔

ماحول ایک دفعہ پھر سے پچھلی رات میں بدل گیا تھا جب انہوں نے محبت کی نظم پڑھی تھی۔

آج ایک وائلن بجا رہا تھا اور دوسری گنگنا رہی تھی۔

سب انہیں رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

چاند تک مسکرا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔

چاندنی ٹوٹ ٹوٹ کر نیلے پانی کی سطح پر گر رہی تھی۔

احمر نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آنکھیں بند کر لیں

عقیدت سے۔

اور دل سے بجانے لگا۔

جب وہ رکا تو علیزے بھی رک گئی۔

سب نے تالیاں بجا کر انہیں داد دی۔

ستارے جھمگٹا بنا کر منمنہاٹ کرنے لگے۔

کتنا حسین تھا نا.....

اس بار بھی علیزے نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ احمر کو گمان گزرا کہ وہ جان گئی ہے۔ اسکول میں ایک دفعہ میوزک فیسٹول ہوا تھا۔ تب احمر نے بھی شرکت کی تھی اور وائلن بجایا تھا۔ علیزے کو وہ دھن آج بھی یاد تھی اور یاد کیسے نہ ہوتی....

احمر آج بھی وہی دھن بجا رہا تھا۔

اسے نہیں اندازہ تھا کہ علیزے کو وہ دھن یاد ہوگی۔

اب اسے کچھ کچھ امید تھی کہ اسے یاد آیا ہو گا۔۔۔ لیکن جب احمر نے جانا کہ علیزے کو کچھ نہیں یاد تو اس نے جو ابھی ابھی سوچا تھا کہ اسے سب بتا دے.. وہ ارادہ ترک کر دیا۔

پھر وہ جانے لگی تو اس نے اسے روکا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

اسے کچھ دکھانا تھا۔

وہ اسے وہاں باغ میں لے آیا۔ پہاڑی علاقوں میں جگنوؤں کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ علیزے کو کس قدر چاہ تھی یہ منظر دیکھنے کی۔ وہ صرف دل سے معذرت کرنے کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔ پہلے اسے ہرٹ کیا تھا پھر صبح دوستی کرنے سے پہلے ہی چلا آیا تھا۔ وہ ان سب کے لیے معذرت خواہ تھا۔ اور اس بار علیزے نے بھی دل سے معاف کر دیا تھا۔ دل مکمل تسکین زدہ تھا۔

“Thank you Mr..

Idiot..”

جب علیزے نے اسے تھینک یو بولا تو احمر کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"ایک بار دوبارہ بولیں۔"

"Thankyou"

"نہیں جو اس کے بعد بولا تھا۔"

"Mr.idiot"

اور یہاں وہ ہنس پڑا۔ دل کھول کر ہنسا۔

احمر کو یاد تھا جب بچپن میں اس نے احمر کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے ایڈیٹ بلایا تھا اور آج پھر سے وہی پکارا تھا۔

کتنا کچھ تھا جو ان دس سالوں میں بدل گیا تھا۔ بس یہ چیز نہیں بدلی تھی۔

اس کے ذہن میں دور در دور کہیں وہ اب بھی تھا۔

پھر وہ جانے کے لیے مڑی اور احمر نے روک لیا۔

ایک آخری۔۔ بس ایک آخری کوشش وہ کرنا چاہتا تھا۔ اور اس بار علیزے نے سب قسمت کے ہاتھوں چھوڑ دیا تھا۔

"قسمت نے ملولیا تو ضرور۔"

احمر نے مسکرا کر چاند کی طرف دیکھا جیسے دس سال پہلے اسکول چھوڑتے وقت دیکھا تھا اور خود کو یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ ضرور ملیں گے اور آج بھی وہی یقین دہانی خود کو کروائی۔

صبح احمر جلدی اٹھ گیا تھا تو نیچے چلا گیا۔ وہاں جو لوگ بیٹھے تھے ان میں سے بزرگوں کے پاس گیا، ان کا حال چال پوچھا، ان سے دعائیں لیں اور یہاں وہاں کی باتیں کرتا رہا۔ دفعتاً اس کی نظر اوپر بالکونی میں کھڑی لڑکی کی طرف گئی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ احمر مسکرایا اور ہاتھ ہلایا۔ علیزے کا موڈ بھی خوشگوار تھا۔ وہ نرم سا مسکرا دی۔

گیارہ بجے سب روانگی کے لیے تیار تھے۔ احمر اس سب دور اپنے میں غائب ہی رہا تھا۔ اسے یہیں قریب میں کسی سے ملنے جانا تھا اسی لیے وہ چلا گیا۔ جس وقت وہ جا رہا تھا تب سب ناشتہ کر رہے تھے۔ اس نے علیزے کو ڈھونڈا۔ وہ اسے قریب ہی نظر آگئی۔ وہ ناشتہ نہیں کر رہی تھی بس پلیٹ میں چھج ہلا رہی تھی۔ احمر نے اسے دیکھا اور باہر چلا گیا۔ جس سے ملاقات کرنی تھی اس سے ملنے کے بعد علیزے کے لیے اس نے کچھ کھانے کو لیا اور بس میں آبیٹھا۔ سر ہلکا ہلکا بھاری ہو رہا تھا اسی لیے منہ پر کتاب رکھ لی۔ بس چل پڑی۔ اس نے کتاب منہ سے ہٹائی اور ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ ایک دفعہ پھر حیران رہ گیا۔ اس دفعہ بھی علیزے خود اس تک آئی تھی۔ اس نے کوئی پہل نہیں کی تھی۔ اسے یاد آیا علیزے نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ جھک کر بیگ سے بسکٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا جسے دیکھے بغیر اس نے رد کر لیا۔ پھر احمر کی آواز پر اس نے دیکھا۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ علیزے کی حیرت واضح تھی۔ اب شاید وہ پُر سکون تھی۔ بسکٹ بھی کھا لیا، باتیں بھی کیں۔ سفریوں ہی گزرتا رہا۔

پھر اس نے پوری بس میں رونق لگا دی۔ کچھ دیر کو سستانے کیلئے بس ایک جگہ پر آئی۔ دونوں نیچے اتر گئے۔ احمر نے سفری بیگ پہنا ہوا تھا جبکہ علیزے نے نہیں۔

اسے تو عادت تھی ہر جگہ بیگ ساتھ رکھنے کی۔ اب اس نے علیزے کو ایک بیگ لے کر دینا تھا۔ وہ ایک شاپ میں چلا گیا اور اس کے لیے بیگ لیا، کچھ ضروری چیزیں اس میں ڈالیں اور بیگ اسے تھا دیا۔ لیکن شاید علیزے کو پسند نہ آیا تو اس کا جوش ماند پڑ گیا اور بیگ وہیں رکھ کر باہر نکل گیا۔ جب علیزے باہر آئی اور اس کے پاس اسی بیگ کو دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ علیزے نے اس کی خواہش کا احترام کیا تھا اسے اچھا لگا تھا۔

پھر بس چل پڑی اور راستے میں انہیں پتہ چلا کہ انہوں نے مری جانا ہے۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔ احمر تو خیر زیادہ ہی خوش تھا۔ اسے علیزے کے ساتھ گزارنے کے لیے تھوڑا اور وقت مل گیا تھا۔ پھر شام کو وہ لوگ مری سے ہو کر واپس گھر کی طرف نکل گئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر علیزے افسردہ ہو گئی تھی۔ احمر نے اس کی اداسی بھانپ لی۔ اور اس کا موڈ ٹھیک کرایا۔

اب وقت جدائی تھا۔

ایک کو جانا تھا اور دوسرے کو اس کا انتظار ایک دفعہ پھر سے کرنا تھا۔۔۔

انتظار بھی کیا چیز ہے نا۔۔

علیزے چلی گئی اور وہ وہیں رہ گیا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہم نے یہ تو نہ چاہتا"

یونیورسٹی سٹارٹ ہونے میں تقریباً ایک ہفتہ تھا۔ اور اس ایک ہفتے میں بہت سارے کام pending تھے جو اسے پورے کرنے تھے۔ ان سب میں وہ علیزے کے بارے میں کچھ خاص سوچ نہ سکا۔ بس کبھی کبھی وہ یاد آجاتی۔

پھر یونی کا دن آیا۔

فریشرز کا پہلا دن۔

پچھلا semester کب کا ختم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جو وقت تھا اس میں وہ ٹرپ پر گیا تھا اور باقی وقت میں مصروف رہا تھا۔ آج صبح سے ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ علیزے بار بار یاد آرہی تھی۔

وہ بار بار ذہن کو جھٹک رہا تھا۔ اتنے دن وہ شریف بن کر پتہ نہیں کیسے رہ گیا تھا۔

لیکن اب وہ اپنے موڈ میں واپس آگیا اور یونی چلا آیا۔

کیفے ٹیریا میں کھڑے اسے احساس ہوا کہ شاید علیزے یہاں ہے۔ لیکن وہ یہاں کیسے ہو سکتی تھی۔ پھر وہ لیکچر لے کر باہر آیا جہاں اس کے دوست کھڑے ہنس رہے تھے۔ احمر کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایک فریشر کو بیسمنٹ میں بند کر دیا ہے جس نے احمر پر کافی گرائی تھی۔ احمر کو ان پر غصہ آیا۔ مذاق اپنی جگہ لیکن ایسے اسے بند کرنا اچھا نہیں تھا۔ بیسمنٹ کی لائٹس نہیں جلتی تھیں۔ وہ خراب تھیں۔

بس اسی احساس کے تحت وہ بیسمنٹ کی طرف چلا آیا۔

وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی قسمت اسے ایک دفعہ خود اس تک لے کر آ رہی ہے۔
سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر جب اس نے علیزے کی آواز سنی تو باقی سب کچھ سننا بھول گیا۔
اندر کمرے میں بند علیزے تھی۔۔۔

یہ خیال ہی اس کی روح کھینچنے کے لیے کافی تھا۔

اس کے قدم بھاری ہو رہے تھے۔

علیزے یہاں کیسے ہو سکتی تھی۔

وہ یہاں کیسے پہنچی۔۔

وہ "احمر کی یونیورسٹی" میں کیسے ہو سکتی تھی۔

وہ قدم بڑھا رہا تھا لیکن اسے لگا اس کے پاؤں نہیں ہل رہے۔ وہ من من بھاری ہو رہے تھے۔

بالآخر اس نے ہمت کر کے دروازہ کھولا۔

علیزے دروازہ بجا رہی تھی اسی لیے جب احمر نے دروازہ کھولا تو علیزے باہر کی طرف گرنے لگی۔ اسی

وقت احمر نے اپنا بازو آگے کر دیا۔

علیزے اس کے بازو کا سہارا لیے ڈھے سی گئی۔

وہ واقعی علیزے تھی۔

دل تھم گیا۔

احمر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

چند پل خاموشی میں گزرے۔

"علیزے..."

گہرے گہرے سانس لیتی علیزے ایک دم رک گئی۔ سانس بھی رک گیا۔ وقت بھی تھم گیا گویا پوری کا ننا تھم گئی۔

علیزے نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔ دونوں کے سر کے اوپر لٹکا بلب روشن ہوا صرف چند سیکنڈز کے لیے۔ اور ان چند سیکنڈز میں علیزے نے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہی چہرہ جسے وہ بھور بن سے واپسی پر بس میں آخری دفعہ دیکھ کر آئی تھی۔

بیسمنٹ کی خاموشی انہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔ کسی ایک کے بولنے کی منتظر تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" بتی ایک دفعہ پھر جلی پھر بجھی۔ سانس بحال ہوا۔ اس نے بولنے کی سعی کی پر بول نہ سکی۔

"تم....." صرف لب ہلے بتی پھر چلتی بجھتی رہی۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ حیرانی دونوں کی آنکھوں میں تھی۔

علیزے نے بولنے کی پھر سے کوشش کی لیکن اسے پینک اٹیک آگیا۔ وہ صحیح سے سانس نہ لے سکی۔

احمر اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور سیڑھیوں میں لے جا کر اسے بٹھا دیا جہاں روشنی تھی۔ پھر اپنے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر اسے دی۔

"ریلیکس علیزے... ریلیکس۔ گہرے گہرے سانس لو۔"

علیزے کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔ اسے اب احمر کی آواز نہیں آرہی تھی ذہن میں ایک منظر گھوم رہا تھا۔

کورٹ روم.....

باہر کھڑے اہلکار....

وہ قیدی.....

اس کی آنکھ کے پاس موٹا تل.....

اس کی غصیلی نظریں....

بند کمرہ....

اندھیرا...

علیزے کی گردن کے گرد پھندا.....

"علیزے مجھے سن رہی ہو؟" احمر کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔

"گہرے سانس لو اور پھر پانی پیو۔" اس میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی۔ اسی لیے جیسا اس نے کہا ویسا اس نے کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بالکل نارمل ہو گئی۔ احمر کی جان میں جان آئی۔

"تم یہاں کیوں آئی تھی؟" اس کی انفارمیشن کے مطابق اس لڑکی کو یہاں ہونا چاہیے تھا جس سے پارکنگ میں نوک جھوک ہوئی تھی۔ لیکن علیزے کا یہاں ہونا۔۔۔ کچھ تو غلط تھا۔

اس نے علیزے کا سوٹ دیکھا وہ بلیک تھا۔

اوہ۔ اب وہ سمجھا۔ انھوں نے علیزے کو وہ لڑکی سمجھا اور یہاں بند کر دیا۔

احمر نے آنکھیں میچیں۔

(اف سعادان۔ اف)

"وہ لڑکی... ایک لڑکی آوازیں دے رہی تھی۔ مدد کے لیے بلا رہی تھی میں اس کی مدد کرنے آئی تھی۔"

"تمہارے اندر یہ دوسروں کی مدد کرنے کا جنون کب جائے گا؟"

اس کی بات پر علیزے کو ہوش آیا۔۔۔ یہ یہاں کیا کر رہا تھا... یہ تو علیزے کی یونیورسٹی تھی نا۔۔۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں یہاں ہوں؟"

احمر نے آرام سے اسے سب بتا دیا۔

"آئی ایم سوری۔ یہ سب ایک مس انڈرسٹینڈنگ کی وجہ سے ہوا ہے۔ تم دونوں کے ڈریسز ایک جیسے تھے شاید اسی لیے تمہیں وہ لڑکی سمجھ کر انھوں نے یہاں بند کر دیا۔ آئی ایم سو سوری تمہیں میری وجہ سے۔۔۔۔" علیزے نے اسے دیکھا۔

آنکھوں میں زخمی پن تھا۔ منٹ کے ہزاروں حصے میں اس نے سب کچھ جمع تفریح کر لیا تھا۔
 "اوہ تو یہ سب تم نے کیا ہے۔ بھور بن میں بھی تم بار بار میرے پیچھے آتے تھے دوستی کے لیے۔ وہاں
 میں نے انکار کر دیا تو تم میری یونیورسٹی آگئے۔"

(میری یونیورسٹی؟) احمر نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولنے چاہے لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔
 "اور مجھے یہاں بند کر دیا۔ اب بہانہ بنا رہے ہو کہ تمہارے دوستوں نے کیا ہے۔ کس کو پاگل بنا رہے
 ہو؟"

بدگمانی ہر دفعہ بدگمانی کیوں بیچ میں آجاتی تھی۔
 "علیزے تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تمہیں بچانے..."

"ہاں بچانے تم تو مجھے بچانے آئے ہو نا، تاکہ میں تم سے دوستی کر لوں ہے۔ آخر میرا پیچھا چھوڑ
 کیوں نہیں دیتے۔"

احمر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے سمجھائے اسے۔

یہ لڑکی ہمیشہ کہانی کا ایک رخ دیکھتی تھی اور دوسرا خود ہی اخذ کر لیتی تھی۔

"میں اتنا گرا ہوا نہیں ہوں کہ تم سے دوستی کرنے کے لیے تمہیں یہاں بند کر دوں گا۔ میں تو جانتا
 بھی نہیں تھا کہ تم یہاں پر ہو گی۔"

"کوئی فائدہ نہیں ان باتوں کا۔ تم جو بھی کہو مجھے تمہاری باتوں کا یقین نہیں ہے۔ پتہ نہیں کب پیچھا چھوٹے گا تم سے۔"

وہ بھوربن میں اس کی مدد، اس کا سوری بولنا، بھوربن میں اس کے ساتھ سیر، مری گھومنا،،،، سب ثانوی ہو چکا تھا۔

یاد تھا تو صرف اتنا کہ اس نے اسے کمرے میں بند کیا تھا۔

انسان لاکھ اچھائیاں کر لے، لاکھ سچ بول لے لیکن ایک غلط فہمی ہر اچھائی، ہر سچائی کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔

انسان واقعتاً ناشکرا واقع ہوا ہے۔

علیزے نے اسے تنبیہ کی اور اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

احمر نے اس کا بازہ پکڑا اور اسے دیوار سے لگایا۔

"میں آخری دفعہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے تمہیں یہاں بند نہیں کیا۔ یقین کرنا ہے تو کرو، نہیں کرنا تو مت کرو۔ لیکن اب الزام مت دینا کہ میں بہانے ڈھونڈ رہا ہوں تم سے دوستی کرنے کے لیے یا بار بار تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ کیونکہ میں ابھی اتنا نہیں گرا کہ ایک لڑکی کی "ناں" کو "ہاں" میں بدلنے کی کوشش کروں۔ دوسری بات یونی آف ہونے سے پہلے پہلے وہ لوگ جنہوں نے تمہیں یہاں بند کیا تھا۔ وہ تم سے معافی مانگیں گے کیونکہ تمہیں لوگوں سے معافی منگوانے کا بہت شوق ہے۔ تو میں تمہارا یہ شوق پورا کر دوں گا۔"

"اور تیسری بات..."

علیزے یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"کبھی بھی کہانی کا ایک رخ دیکھ کر دوسرا خود سے اخذ نہیں کر لیتے۔ جس دن یہ بات سمجھ آ جائے گی تو سچ اور جھوٹ میں فرق کرنا سیکھ جاؤ گی۔"

آرام سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اپنا بیگ اٹھایا اور سیڑھیوں کے اوپر چلا گیا۔ کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ علیزے گم سم سی کھڑی رہ گئی۔

اس نے اس لہجے میں پہلی دفعہ بات کی تھی۔

پھر وہ اس پر اور اس سارے پرینک پر لعنت بھیجتی ہوئی اوپر چلی گئی۔

احمر غصے میں تن فن کرتا گراؤنڈ میں آیا جہاں اس کے دوست کھڑے تھے اور ان میں سے ایک کا گریبان پکڑ لیا۔

"کون تھی وہ لڑکی؟ بتاؤ۔"

"کون سی لڑکی؟" اسے احمر کا یہ رویہ بہت عجیب لگا۔

"وہی جس نے اس فریشر کے ساتھ پرینک کرنے میں تمہاری مدد کی تھی۔"

"کیا ہوا مرا تو نہیں گئی وہ۔" ان میں سے دوسرا لڑکا بولا۔ اس کے ساتھ باقی سب کا بھی قہقہہ گونجا۔

"بکواس بند کرو۔" احمر کی تیز دھار آواز سے سب خاموش ہو گئے۔

"احمر کیا ہو گیا ہے۔ اس میں کون سی اتنی بڑی بات ہے۔ ایک مذاق ہی کیا تھا۔" اس نے اپنا کالر چھڑوانا چاہا۔

"مذاق۔ ایسا مذاق کون کرتا ہے۔ اس لڑکی کو فوبیا تھا اور تم تو بہت اچھے سے جانتے ہو جب انسان کو کسی چیز کا فوبیا ہو تو پینک سچویشن میں خود پر قابو پانا کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو کیا کہتے اس کے گھر والوں کو کہ مذاق مذاق میں آپ کی بیٹی مر گئی۔" اس کی آواز میں غصہ بھی تھا اور فکر بھی۔

(کس دل سے اس نے آخری الفاظ بولے تھے صرف وہی جانتا تھا)

اب کی بار سعادان واقعی سیریس ہو گیا تھا۔

احمر نے اس کا کالر چھوڑ دیا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"تم نے جس لڑکی کو بند کیا تھا وہ، وہ لڑکی نہیں تھی۔ کوئی اور تھی اور اسے "..... وہ آگے بتانہ پایا۔

"یاد نہیں جب تم لفٹ میں پھنس گئے تھے تو تمہاری کیا حالت تھی۔ وہ لفٹ صرف تیس سیکنڈ کے لیے بند ہوئی تھی اور تم سانس لینا بھول گئے تھے۔ وہ لڑکی (دہراتے ہوئے بھی تکلیف ہوتی تھی) کتنی

دیر سے وہاں بند تھی۔ میں وقت پر نہ جانا تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔" اب اس کی آواز قدرے آہستہ تھی۔ وہ سنبھل چکا تھا۔

"کس لڑکی کو ساتھ لے کر گئے تھے؟"

"یشاء کو۔"

"اسے ساتھ لے کر جاؤ تم لوگ (باقیوں کو بھی کہا) اور سوری بولو۔ اللہ نے چاہا تو تم لوگوں کو معاف کر ہی دے گی۔" آخری جملہ منہ میں بولا۔

"ہم اس سے بھی بات کر لیں گے لیکن تم اس لڑکی کے لیے ہم سے کیوں جھگڑ رہے ہو؟"

ہاں واقعی وہ اس کے لیے اتنا possessive کیوں ہو رہا تھا اور اپنے ہی دوست کا گریبان بھی پکڑ لیا تھا۔

"آئی ایم سوری مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سوری۔۔ میں ... میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔"

انہیں وہی چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ ابھی اسے کچھ وقت اکیلے رہنا تھا۔ وہ اپنے کیے کی وجہ سے شرمندہ تھا۔

پہلے عزیزے کو سختی سے جھڑکا پھر اپنے ہی دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک....

اسے کیا ہو گیا تھا۔۔۔

اس کا غصہ کبھی اس کے جذبات پر حاوی نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج....

اس میں اب بہت کچھ بدلتا جا رہا تھا۔

اور احمر خان زادہ کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کچھ کے علاوہ بھی کتنا کچھ بدلنے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کہانی اپنی اپنی"

علیزے وہاں سے نکل کر واش روم گئی، چہرے پر پانی کی چھینٹیں ماریں، اپنا حلیہ درست کیا اور کلاس میں چلی گئی۔ اس کا اُترا چہرہ دیکھ کر فلک نے پوچھا تو اس نے سر درد کا بہانہ بنا دیا۔ لیکچر پر اسکا دھیان نہیں تھا۔ وہ بس یہی سوچ رہی تھی کہ ایک دم سے وہ اتنا کیسے بدل گیا تھا۔ اتنی سختی سے اس نے پہلے کبھی بات نہیں کی تھی۔ خیر تھا تو وہ انجان شخص ہی۔ اس نے اپنا ذہن جھٹکا۔

سارے لیکچرز ختم ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی یونی کا وقت ختم نہیں ہوا تھا۔ فلک اور علیزے دونوں گراؤنڈ میں تھیں۔ اریبہ کہیں سے بھاگتی ہوئی اُن تک آئی۔ اور ساتھ چلنے لگی۔ تینوں میں ہلکی پھلکی باتیں ہونے لگیں۔ علیزے دونوں کے درمیان تھی۔ وہ زمین کو دیکھ کر چل رہی تھی۔

"آئی ایم سوری۔"

ایک لڑکا اس کے سامنے سے چلتا ہوا اس تک آیا اور معافی مانگی۔ علیزے نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ اس لڑکے نے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑے ہوئے تھے۔

(دوسری بات یونی آف ہونے سے پہلے پہلے وہ لوگ جنہوں نے تمہیں یہاں بند کیا تھا۔ وہ تم سے معافی مانگیں گے۔)

معافی مانگ کر وہ دائیں طرف سے نکل گیا۔ فلک اور اریبہ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

تھوڑا آگے چل کر ایک اور لڑکا آیا۔ اُس نے بھی یہی کیا اور بائیں طرف سے نکل گیا۔ یکے بعد دیگرے چار پانچ لڑکے آئے اور ایسے ہی معافی مانگ کر چلے گئے۔

"یہ ہو کیا رہا ہے؟ یہ معافی کیوں مانگ رہے ہیں؟" پوچھنے والی اریبہ تھی۔

"یہ تو ٹیم ٹانگرز کے لڑکے ہیں۔" فلک نے بھی حیرانی سے انھیں دیکھا۔

(اوہ تو یہ اس کا گروپ ہے۔ ٹیم ٹانگرز اس انجان شخص کا گروپ ہے؟)

علیزے، اریبہ اور فلک تینوں ایک ساتھ رکی تھیں۔

"آئی ایم سوری۔"

سعادان سب سے آخر میں آیا۔ اور علیزے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"میں بس اس لڑکی کو تھوڑا تنگ کرنا چاہتا تھا جس نے 'اے کے' پر کافی گرائی تھی۔" فلک کا چہرہ

دیکھنے والا تھا۔ کافی تو اس نے گرائی تھی۔

"لیکن مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس کی جگہ تم ہو گی۔ سوری فار ڈیٹ۔" کہہ کر وہ گزر گیا۔

علیزے خاموش رہی تھی۔ وہ بھی آگے بڑھنے لگی اور دونوں کو ساتھ چلنے کو کہا۔

"آئی ایم سوری۔"

اسی وقت انھیں اپنے پیچھے سے آواز آئی۔ تینوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ایک لڑکی ان کی طرف چلی آ

رہی تھی۔ اس کی آواز علیزے نے پہچان لی تھی۔ اسی لیے بس اسے گھورتی رہی۔

"آئی ایم سوری ، مجھے نہیں پتہ تھا کہ بیسمنٹ میں آنے والی لڑکی تم تھی۔ مجھے میرے دوستوں نے کہا تھا کہ جس لڑکی نے اے کے پر کافی گرائی تھی (ساتھ کھڑی فلک کو دیکھا، وہ ہونقوں سے اسے دیکھ رہی تھی) اسے بیسمنٹ میں بند کرنا ہے۔ تم دونوں کے ڈریسز ایک جیسے ہیں اسی لیے غلطی سے تمہیں بند کر دیا۔

(اے کے) کو اس کے بارے میں کچھ نہیں پتا تھا.... اسے بلیم مت کرو۔ تمہیں ہماری وجہ سے پرالہم ہوئی اس کے لیے آئی ایم سوری۔"

علیزے نے اٹس اوکے کہہ کر بات ختم کر دی۔ صبح سے سب کے ساتھ پرینک کر رہی تھی خود کے ساتھ اتنا ہونا تو بنتا تھا۔

اریبہ اور فلک دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس لڑکی کو جو اب ان سے دور جا رہی تھی۔ پھر علیزے کا چہرہ دیکھا۔ علیزے نے خاموشی سے وہاں سے کھسکنا چاہا لیکن....

"وہیں رک جاؤ۔" دونوں کی ایک ساتھ آواز پر وہ رک گئی۔ دونوں اس کے سامنے آئیں۔
"انہوں نے تمہیں بند کیا تھا؟"

"مطلب وہ فریشر تم تھی؟"

"اور تم نے ہمیں بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا؟"

دونوں ایک کے بعد ایک سوال کرتی گئیں۔ علیزے اسی غصے سے ڈر رہی تھی اسی لیے انہیں بتایا نہیں تھا۔

"میں اسی لیے نہیں بتا رہی تھی کہ تم دونوں غصہ کرتیں اور لڑائی بڑھ جاتی۔ اُنھوں نے معافی مانگ لی ہے بس بات ختم۔"

فلک اور اریبہ نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا پھر علیزے کا اور پھر ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔ اب حیران ہونے کی باری علیزے کی تھی۔ بجائے وہ اس کے لیے لڑتیں، وہ ہنس رہی تھیں۔

"تمہیں کس نے کہا کہ ہم غصہ کریں گے؟" فلک ہنستے ہوئے بولی۔

"صبح سے سب کی بینڈ بجا رہی تھی اتنا تو وہ تمہیں in return دے ہی سکتے تھے۔"

واہ کیا دوستیں ملی تھیں۔ ان کی مثال اُن دوستوں کی طرح کی تھی جو اپنی دوست کے گرنے پر پہلے ہنستی ہیں پھر اٹھاتی ہیں۔

"کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے تم دونوں کے ساتھ تو کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔"

علیزے نے تیز تندہی سے انھیں گھورا۔ دونوں کی ہنسی سہمی۔

"دیکھو یہ تو ٹرینڈ ہے۔ ہر جونر کی ریٹنگ ہوتی ہے،، آئی سی پیٹ ہر جونر کی۔ ہم کوئی مارس سے نہیں آئے تھے۔"

"بتاؤ ذرا کیا ہوا تم دونوں کے ساتھ؟"

"زیادہ کچھ نہیں بس فلک سے جوتے صاف کروائے تھے۔" اریبہ نے مزے سے بولا۔

"اور اریبہ سے....."

"فلک میری جان اپنی زبان بند رکھو۔۔۔۔۔" اریبہ نے تیزی سے فلک کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم دونوں کبھی نہیں سدھر سکتی۔ ہٹو سامنے سے۔" علیزے نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا اور انہیں چھوڑ کر دوسری طرف چلی گئی۔ وہ دونوں پیچھے سے اُسے آوازیں دے رہی تھیں لیکن علیزے نے نظر انداز کیا۔

علیزے کوری ڈور میں تھی ابھی، جب سامنے سے احمر چلا آ رہا تھا۔ جیکٹ ہاتھ میں پکڑی تھی اور بائیں ہاتھ سے شرٹ کے مڑے آستین ٹھیک کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر علیزے رک گئی۔ احمر نے بھی جب اُسے دیکھا تو رک گیا۔ دونوں فاصلے پہ کھڑے تھے۔ دونوں کی نظروں میں سوالات تھے۔

(دوستوں کو بھیج کر معافی منگوالی۔ خود معافی مانگنے نہیں آ سکتا تھا؟ میں نے تو جیسے مان لیا کہ یہ اس سب میں شامل نہیں تھا۔)

علیزے نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

(ابھی تک غلط سمجھ رہی ہو گی۔ پتہ نہیں کب اسے میری باتوں پر یقین آئے گا۔)

احمر نے بھی ایک قدم آگے بڑھایا۔

(بھور بن میں تو کتنا اچھا بن کے رہا تھا اور یہاں دیکھو کیسے بدل گیا ہے۔ پہلے پوری یونی میں شرارتیں کرتا پھر رہا تھا اور پھر مجھے موڈ دیکھا کر چلا گیا۔ ہونہر ایڈیٹ۔)

دونوں ایک ایک قدم بڑھاتے گئے۔

"لغزشوں سے ماورا تو بھی نہیں میں بھی نہیں

دونوں انسان ہیں خدا تو بھی نہیں میں بھی نہیں"

(اگر پتہ ہوتا یہ بھی اسی یونی میں پڑھنے والی ہے تو کبھی اس کے سامنے وہ سب نہ کرتا۔ اب پتہ نہیں کیا کچھ سمجھ رہی ہو گی، میں کچھ کہوں گا تو مجھے ہی غلط کہے گی۔ ہونہ کم عقلمند۔)

"تو مجھے اور میں تجھے الزام دیتے ہیں مگر

اپنے اندر جھانکتا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں"

(بھلا معافی مانگ لے لیکن نہیں انا آڑے آ جاتی ہے۔ اب ذرا یہ بات کرے مجھ سے۔ میں بھی نہیں سنوں گی۔)

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ زمانوں کا سکوت تاری تھا۔ آس پاس کی دیواریں دم سادھے انہیں دیکھے گئیں۔

(آئی ایم سوری مجھے اتنا روڈ نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن ابھی تم سے بات کرنا اپنے پیروں پہ کلہاڑی مارنے کے برابر ہے کیونکہ تم میری بات نہیں سنو گی۔)

وہ کچھ بھی کہے بغیر سائڈ سے نکل گیا۔

"مصلحت نے کر دیا دونوں میں پیدا اختلاف

ورنہ فطرت کا برا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں"

(اچھا ہے خود ہی بات نہیں کی۔ میرے منہ نہ ہی لگے تو اچھی بات ہے۔)

وہ بھی رکی نہیں آگے بڑھ گئی۔ شاید دونوں کو ہی ایک دوسرے سے امید نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اندھیرا"

واپسی پر اسے معظم نے لینے آنا تھا۔ علیزے کی یونی اس کے راستے میں ہی پڑتی تھی۔

"پھر کتنوں کو ہسپتال پہنچایا؟" معظم نہایت خوشگوار موڈ میں بولا تھا۔ علیزے نے اسکی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"اتنی چپ کیوں ہو؟ کہیں کسی نے تمہیں تو ٹارگیٹ نہیں بنا لیا؟" معظم خود ہی اپنی بات پر ہنسا۔
"اُنھوں نے مجھے اندھیرے کمرے میں بند کر دیا تھا۔"

معظم نے زور سے گاڑی کو بریک لگایا۔ گاڑی کے ٹائر چر چرائے۔ دونوں آگے کو ہوئے۔
گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ معظم نے علیزے کو دیکھا۔ علیزے نے اسکی طرف۔ اسکی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے۔

"وہ صرف مذاق کر رہے ہوں گے علیزے۔" معظم آہستہ آواز میں بولا۔

"وہ ان کیلئے مذاق تھا لیکن میرے لیے نہیں۔"

"علیزے وہ بات بہت پرانی ہے۔ تم بھول کیوں نہیں جاتی؟"

علیزے کو وہ دن یاد آیا جس دن کے بعد سے اُسے اندھیروں سے خوف آتا تھا۔

وہ کورٹ روم کے باہر کھڑی تھی۔ آج علیزے کا رزلٹ آیا تھا اور اس نے فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ اس کی اور اس کے بڑے ماموں کی شرط لگی تھی کہ اگر علیزے فرسٹ آئی تو وہ اُسے ٹریٹ دیں گے اور یہ خبر دینے کے لیے علیزے خود اُن سے ملنے گئی تھی۔

وہ کورٹ روم کے باہر کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ آس پاس پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ اندر کیس چل رہا تھا۔ وکلاء کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں۔

وہ اور معظم نزاکت ماموں کے ساتھ باہر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ کیس ختم ہوا تو دروازہ کھلا اور تین چار پولیس اہلکار ایک قیدی کو پکڑے باہر نکل رہے تھے۔ وہ قیدی مسلسل خود کو اُن کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔

علیزے کا اسکی طرف دھیان نہیں تھا۔ وہ معظم سے کسی بات پر لڑ رہی تھی۔ تب دونوں نو سال کے تھے۔ پولیس اہلکار آپس میں بات کر رہے تھے۔ اسی بات کا فائدہ اٹھا کر اس قیدی نے پولیس والے کو دھکا دیا اور ہاتھ بڑھا کر پاؤں میں چھپا چاقو نکال لیا۔ اور اسی درشتی سے اُس نے علیزے کو پکڑ لیا اور اس کی گردن پر چاقو رکھ دیا۔

"ہٹ جاسا منے سے ورنہ میں اس بچی کو مار دے گا۔"

آس پاس سب لوگ چیخیں مارنا شروع ہو گئے۔ معظم ڈر گیا اور نزاکت سے لگ گیا۔ علیزے بھی چیخنا شروع ہو گئی۔

"ماموں، ماموں مجھے بچائیں۔ پلیز ماموں۔۔۔" اور نزاکت کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"پاس مت آنا ورنہ اسے مار دے گا میں۔" اُس نے بلکل علیزے کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ وہ حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔

"اے چھوڑ دے اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔" پولیس اہلکاروں میں سے ایک پولیس والا بولا۔ وہ درمیانی عمر کے مرد تھے۔ پولیس وردی میں ملبوس۔ گن انھوں نے اس قیدی کی طرف کر رکھی تھی۔

"نہیں نہیں نہیں تو مجھ کو نہیں مارے گا۔"

"تو مجھ کو مارے گا تو میں اس کا گردن پر چاقو مار دے گا۔ پیچھے ہٹ۔"

"تم نے قتل کیا ہے اور اب سزا بھگتو۔ بچی کو کیوں یرغمال بنایا ہوا ہے۔"

"یہ ... یہ لڑکی میری آزادی کا پروانہ ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑے گا۔ اب ہٹ سامنے سے ورنہ۔۔۔"

اُس نے چاقو اسکی گردن پر دبایا۔ علیزے چلائی

"علیزے ماموں وہ علیزے کو مار دے گا ماموں پلیز ڈو سمٹھنگ۔" معظم بھی علیزے کو سہا دیکھ کر ڈر گیا۔

"رک جاؤ۔ کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ تم چھوڑ دو اسے۔"

"مجھے یہاں سے جانے دے ورنہ سچ میں اسے مار دے گا۔"

"ماموں۔۔۔"

نزاکت اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسکی جانب بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ علیزے کو اسکی گرفت سے چھڑواتے اس نے زور سے اُنہیں پاؤں مارا اور وہ گر گئے۔ معظم مزید ڈر گیا۔ وہ چھوٹا تھا اور چاہ کر بھی اپنی بہن کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ قیدی علیزے کو یرغمال بنا کر وہاں سے نکل گیا۔

ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

راستے میں اسے ایک گری ہوئی پستول ملی۔ اس نے چاقو منہ میں ڈالا ، ایک ہاتھ سے علیزے کا بازو پکڑا اور دوسرے سے پستول اٹھالی۔ ایک کمرے میں لاء کے کچھ اسٹوڈنٹس کسی کیس کی تیاری کر رہے تھے۔ اس مغرور قیدی نے ایک دھاڑ کے ساتھ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔

"اے ہٹو سب سامنے سے ورنہ ایک ایک کی کھوپڑی میں گولیاں اتار دے گا میں۔"

سب چیخنے لگے چلانے لگے اور آس پاس سے نکل گئے۔ اس کمرے کے دائیں طرف ایک چھوٹا سا کمرہ بنایا تھا جس میں اوپر ایک چھوٹی کھڑکی تھی۔ باقی پورا کمرہ تاریک تھا۔ اس کمرے میں درمیان میں پھانسی کا پھندا لگا ہوا تھا قیدی علیزے کو گھسیٹتا کمرے میں لے گیا اور اسے زبردستی سٹول پر کھڑا کیا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ رو رو کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔

"کھڑی ہو میں کہتا ہوں کھڑی ہو ورنہ یہاں (کنپٹی پر بندوق رکھی) ایک نہیں دو دو گولیاں مار کے ہمیں زمین میں گاڑ دے گا میں تجھے۔" وہ بڑی بڑی آنکھیں نکال کر اسے ڈرا رہا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے۔۔۔"

علیزے ابھی تک چلا رہی تھی مگر سب بے سود۔ چاروناچار اسے سٹول پر کھڑا ہونا پڑا۔ پھر اس نے وہ پھانسی کا پھندا علیزے کے گلے میں ڈال دیا۔

"اما..... بابا..... نزاکت ماموں... معظم مجھے بچاؤ۔ میں کسی کو تنگ نہیں کروں گی۔ پلیز مجھے بچا لو۔ معظم م م م.. " آخر میں اس نے معظم کو سدا لگائی۔

ایک نو سالہ بچی کو اپنی موت اپنے سامنے نظر آئی۔ موت کا خوف کسے نہیں ہوتا۔ موت کو اپنے سامنے دیکھ کر اچھے اچھوں کی ٹانگیں لرز جاتی ہیں وہ تو پھر بچی تھی۔ اسے وہیں کھڑا کر کے اس نے دروازہ بند کیا اور باہر چلا آیا۔

باہر معظم کا رو کر برا حال تھا۔ نزاکت اور ان کے بڑے بھائی بھی پریشانی میں مبتلا تھے۔

"وہ ہماری بچی کو آپ سب کے سامنے سے لے کر چلا گیا اور آپ لوگ کچھ کر نہیں سکے۔ آخر کس قسم کی پولیس فورس ہے آپ کی۔" نزاکت مسلسل ان پر چلا رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود جا کر اپنی بچی کو بچا لیتے۔

"سر ہم کوشش کر رہے ہیں۔ اگر اسے پریشراؤ کیا تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"ہاں نظر آ رہا ہے جتنی کوشش کر رہے ہیں۔" ایک غصیلی نظر ان سب پر ڈالی۔ پھر ان کے بڑے بھائی آگے آئے اور انھیں پیچھے کر دیا۔ وہ روتے ہوئے معظم کے پاس کھڑے ہو گئے۔

"ما...ماموں .. وہ .. وہ میری .. بہن کو لے گیا .. ماموں .. پلیز ڈو سم تھنگ .. علیزے کو .. علیزے کو واپس لے کر آئیں ماموں پلیز .. میں امی کو .. کک .. کیا کہوں گا ماموں۔" وہ روتے ہوئے بے ربط جملوں کے ساتھ بول رہا تھا۔ نزاکت نے اسے تسلی دی۔

"ڈی۔ ایس۔ پی۔ صاحب کہاں ہیں؟"

"سر وہ گئے ہیں اس قیدی کے پیچھے۔"

"وہ گئے ہیں تو میری بچی کو ساتھ لے کر ہی آئے گا۔ مجھے پورا بھروسہ ہے اس پر۔"

اندھیرے کمرے میں پھانسی کے پھندے میں گردن ڈال کر کھڑی علیزے کو لگا بس اب اس کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

اسے گھٹن محسوس ہوئی۔ خوف محسوس ہوا۔ ایسا خوف جو پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔

موت کا خوف کیا ہوتا ہے اس نو سالہ بچی کو اب سمجھ میں آیا تھا۔

وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی اور وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اسٹول ایسا تھا کہ اگر وہ اترنے کی کوشش کرتی تو اسٹول گر جاتا۔ اسی وقت اسے گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں۔ وہ اور زیادہ ڈر گئی۔ اب وہ یہاں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس نے وہ رسی گلے سے نکالنے کی کوشش کی اور اسی مزاحمت میں اسٹول لڑکھڑایا۔

"ماما....." علیزے زور سے چلائی۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ گلے کے گرد پھندے نے اس نو سالہ بچی کی گردن پر اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اسی وقت اسے اپنی آنکھوں کے سامنے روشنی نظر آئی۔ دھاڑ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور وہی پولیس آفیسر جو باہر اس قیدی کو مار کر آیا تھا اندر آیا اور فوراً سے علیزے کو پکڑ لیا۔

علیزے کو اس نے وہاں سے نکالا اور گود میں اٹھا کر اسے باہر لایا جہاں نزاکت اور معظم کھڑے تھے۔ نزاکت ابھی تک شاکد تھے اور معظم رو رہا تھا۔ علیزے باہر آ کر کسی کو بھی دیکھے بغیر معظم کی طرف بڑھ گئی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ نزاکت نے اسے پکڑنا چاہا لیکن وہ اس قدر ڈری ہوئی تھی کہ کسی کے پاس بھی نہیں جا رہی تھی۔ معظم بھی اس کے ساتھ لپٹ کر رو رہا تھا دونوں بچے تھے دونوں کو سہارے کی ضرورت تھی اور اس وقت انہیں بس ایک دوسرے کا ساتھ عزیز تھا۔ ایک لمحے کے لیے معظم کو لگا کہ اس نے اپنی بہن کھو دی ہے لیکن جب علیزے کو اس نے اپنے سامنے دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔

اس واقعے کے بعد علیزے کو recover ہونے میں کافی وقت لگا تھا۔ معظم کچھ دنوں میں یہ سب بھول گیا تھا لیکن علیزے نہ بھلا پائی۔ کئی دنوں تک وہ راتوں کو ڈر کر اٹھ جایا کرتی تھی اور تب بھی بس معظم اسے اپنے پاس چاہیے ہوتا تھا.....

"اندھیرا میرا فوبیا ہے۔ میں اپنے پاس اندھیرا نہیں برداشت کر سکتی۔ وہ کمر بالکل تاریک تھا۔ وہاں ذرا برابر بھی روشنی نہیں تھی۔ آج مجھے اپنے گلے میں وہی پھندا محسوس ہو رہا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا میں تمہیں پکار رہی تھی لیکن تم نہیں تھے وہاں۔"

علیزے کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ معظم کو اس کے لیے برا لگ رہا تھا وہ لاکھ ستائے اپنی بہن کو لیکن اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"اچھا اب رونا بند کرو۔ امی تمہیں ایسے دیکھیں گی تو پریشان ہو جائیں گی۔"

"میں ایسے گھر نہیں جاسکتی۔"

"تو پھر۔"

اب علیزے سنبھل چکی تھی۔

"پھر ایک کام کرتے ہیں یہیں پاس میں ایک آئسکریم پارلر ہے۔ چل کر آئسکریم کھاتے ہیں پھر گھر چلتے ہیں۔ میرا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔"

بے حد معصومیت اور سنجیدگی سے اس نے کہا۔

وہ موقع پر چوکا مار گئی تھی۔

واقعی.... کہنا پڑے گا وہ موقع پرست تھی۔

معظم نے مسکرا کر سر دائیں بائیں ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

علیزے نے مسکرا کر چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا۔

اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

کسی سے درد بانٹ کر دل کو اطمینان مل جاتا ہے۔

علیزے نے مڑ کر معظم کو دیکھا۔

صد شکر کہ اس کے پاس اس کا بھائی تھا۔

چہرہ واپس پھیر لیا۔

صد شکر کہ اب اس کا خاندان اس کے ساتھ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسپورٹس گرل"

آج یونیورسٹی میں اس کا چوتھا دن تھا۔ وہ گراؤنڈ میں ایک طرف گھاس پر بیٹھی تھی۔ ساتھ ہی فلک اور اریبہ بھی بیٹھی تھیں۔ تینوں تکون صورت بیٹھی تھیں۔

آج علیزے نے سبز رنگ زیب تن کیا تھا۔

آسمان پر بادلوں نے احاطہ کیے رکھا تھا۔ اسے موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے یونی کے کافی لوگ گراؤنڈ میں جمع تھے۔

سامنے ہی ایک گروپ باسکٹ بال کھیل رہا تھا۔ شور کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"ان کا بس چلے تو پوری یونی کو سر پر اٹھالیں۔ اتنا شور۔"

"بگڑے امیر زادے۔" علیزے نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھتے ہوئے ہولے سے کہا۔ وہی جو سب سے زیادہ جوش سے کھیل رہا تھا۔

وہی جو اُس کے لیے انجان شخص تھا۔

احمر علیزے کی موجودگی سے باخبر تھا۔

ان تین چار دنوں میں دونوں کا راہ چلتے سامنا ہو جاتا۔ علیزے تو ایسے منہ موڑ لیتی جیسے کوئی انسان اپنے رشتے داروں کو دیکھ کر راستہ بدل لیتا ہے۔

احمر بھی کوئی مزاحمت نہ کرتا۔

اب بھی اتفاقاً وہ اس کے آس پاس ہی کھیل رہا تھا۔

یا علیزے اتفاقاً باسکٹ بال ایریا کے پاس بیٹھی تھی۔

لیکن کیا تم کو لگتا ہے کہ اس دنیا میں اتفاق ہوتے ہیں جبکہ ہر چیز پہلے سے ہی مکتوب ہے۔

علیزے نے ذرا کی ذرا نظر اس کو دیکھا پھر واپس کتاب پر جھک گئی۔

باسکٹ بال احمر کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دائیں ہاتھ سے اسے اوپر نیچے اچھال رہا تھا۔ نظریں مد مقابل پر

جمی تھیں۔ وہ گراؤنڈ میں یہاں سے وہاں بال بھگاتا ہوا باسکٹ میں گول کرنے لگا جب اچانک سے

سامنے والے نے اچھل کر بال کو ہاتھ سے بیکورڈ دھکا دیا۔

احمر نے بال کی سیدھ میں دیکھا۔ وہ اس کے سر کے اوپر سے ہوتی ہوئی اس جانب گئی جہاں علیزے

بیٹھی تھی۔

".....Alizey move"

اس نے دونوں ہاتھوں کو چہرے کے قریب کرتے ہوئے اسے پکارا۔

اس کی آواز پر علیزے نے سر اٹھایا اور اپنی جانب آتی بال کو دیکھا۔ اور....

منٹ کے ہزارویں حصے میں اس نے اپنی گردن دائیں جانب ڈھلکائی اور اسی پھرتی سے دونوں ہاتھوں سے باسکٹ بال کو کچھ کر لیا۔

سب اتنا جلدی ہوا کہ کچھ سوچنے کا بھی وقت نہ ملا۔

علیزے کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی

اور احمر....

احمر کی طرف دیکھو تو اس نے آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔ وہ علیزے کے سر پر بال لگتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو۔۔

سامنے کا منظر بالکل ہی الگ تھا۔

نہ علیزے کے سر پر بال لگی، نہ وہ چیخنی نہ چلائی، نہ اسے کوسا.... بلکہ وہ تو مسکرا رہی تھی اور بال کہاں تھی؟... نظر اس کے ہاتھ کی جانب گئی تو دیکھا کہ بال اس نے کچھ کر لی تھی۔

سکون کا سانس اس کے اندر سے نکلا۔

(سپورٹس گرل ہے۔ میں تو بلا وجہ اسے اناڑی سمجھ رہا تھا۔)

احمر بال لینے کے لیے اس کے قریب آیا۔ علیزے بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی طرف گئی۔ بال اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک انداز سے پکڑ رکھی تھی۔

دھوپ کے باعث وہ آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ فاتحانہ مسکراہٹ اب بھی چہرے پر سچی تھی۔

"آئندہ کبھی علیزے رئیس سکندر کو اپنے سے کم مت سمجھنا۔" فخر سے بتایا گیا۔

"ایک بال کچج کر لینے سے کوئی اے کے نہیں بن جاتا۔ میدان میں آؤ تو مانوں۔" وہ بھی ڈنکے کی چوٹ پر چیلنج کر رہا تھا۔

"چیلنج دے رہے ہو۔" ایک آبرو آچکا کر پوچھا۔

"چیلنج دے رہا ہوں۔" سر کو خم دے کر جواب دیا۔

"ہارنے کے لیے تیار رہنا۔" ساتھ ہی باسکٹ بال اس کی طرف اچھالی جو اس نے لے لی اور ہاتھ میں گھمانے لگا۔

"مبارکباد دینے کے لیے تیار رہنا۔"

دونوں نے چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھا پھر واپس مڑ گئے۔

علیزے جب واپس اپنی جگہ آئی تو فلک انجان شخص کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے فلک کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ ہوش میں آئی۔

"یہ تو وہی پارکنگ والا لڑکا ہے۔ تم اسے جانتی ہو۔"

علیزے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کون ہے؟"

علیزے مسکرائی۔ ایک نظر اس "انجان شخص" پر ڈالی۔

"مسٹر ایڈیٹ"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ولایتی طوطا"

اب دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ صرف وہ دونوں کھیلنے والے تھے۔ باسکٹ بال درمیان میں سعادان کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے ایک، دو، تین بولا اور بال ہوا میں اچھال دی۔ جسے احمر نے تھام لی۔ کبھی بال اس کے ہاتھ آجاتی تو کبھی علیزے کے۔ کرتے کرتے بال احمر کے ہاتھ آئی اور اسے بال بھگاتا ہوپ تک آیا جب اچانک علیزے نے پھرتی سے بال اچک لی۔ لیکن سامنے والا بھی احمر خان زادہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بال ہوپ میں جاتا اس نے ہوا میں بلند ہو کر بال پرے دھکیل دیا۔

تماشائی دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک احمر کی طرف دوسرا علیزے کی طرف تھا۔

کچھ دیر بعد منظر کچھ یوں تھا کہ بال احمر کے ہاتھوں میں آچکی تھی۔ علیزے نے بڑی چالاکی سے احمر کو نظروں کا دھوکہ دے کر گول کر دیا۔

مدِ مقابل کوئی اور ہوتا تو ابھی تک احمر اسے ہرا چکا ہوتا لیکن اس دفعہ سامنے علیزے تھی۔ وہ خاصا امپریس ہوا تھا۔

اگلا گول بھی علیزے نے کیا۔ احمر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے آہستہ سے لب ہلائے۔

"Told you"

ساتھ ہی فاتحانہ مسکراہٹ۔

کچھ وقت بعد کھیل اپنے اختتام کی جانب تھا۔ چار چار پوائنٹس دونوں کے تھے۔ اس دفعہ بال علیزے کے ہاتھ میں تھا۔ جیسے ہی اس نے گول کرنے کے لیے باسکٹ بال ہوپ کی طرف اچھالا کسی نے چیتے کی سی تیزی کے ساتھ ہوا میں بلند ہو کر بال پکڑ لی اور ہوپ کی میٹل کو پکڑ کر، ہوا میں ہی بلند ہوئے، بال اس ہوپ میں ڈال دی۔ پھر چھلانگ لگا دی۔

علیزے دم بخود رہ گئی۔ یہ سب اتنا جلدی ہوا تھا کہ اسے سمجھنے میں وقت لگا۔ احمر علیزے کے پیچھے تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سامنے آیا۔

سامنے ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔ اس کے گولڈن براؤن بال تھے، داڑھی صرف ٹھوڑی پر تھی، بلی آنکھوں والا۔ وہ سپورٹس ڈریس میں ملبوس تھا۔

"تم ایسے میچ کے بیچ میں نہیں آسکتے۔" علیزے کو اس کی اس حرکت پر غصہ آیا تھا۔ وہ جیتنے والی تھی۔

"تم رکو میں بات کرتا ہوں۔" احمر پیچھے سے چلتا ہوا آگے آیا۔ وہ شاید اسے جانتا تھا۔

"میں بات کر سکتی ہوں۔" علیزے نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"پلیز بات بگڑ جائے گی تم جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہیں پر اہم کیا ہے آخر میں بات۔۔۔۔"

"آہ تم دونوں ٹوم اینڈ جیری کی طرح لڑنا بند کرو گے۔" حمزہ نے دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا۔ اس

نے امریکی طرز کی انگریزی میں انھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

(اوہ.. ولا ہتی طوطا) علیزے نے دل میں کہا۔

"تم دونوں بچوں والا میچ کھیل رہے تھے۔ مجھے مزہ نہیں آیا تو تم دونوں کا کھیل خراب کر دیا۔ چلو صحیح

والا کھیل کھیلتے ہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں جکڑ کر اسٹریچ کیا۔ ایک دو انگلیوں

سے پٹاخا نکلا۔

"ہمیں تمہارے ساتھ نہیں کھیلنا۔" احمر نے بے حد ضبط سے اسے کہا۔

"اتنی جلدی ہار مان گئے اے کے۔ ایک میچ میرے ساتھ بھی کھیل لو نا۔"

"تمہارے ساتھ میچ کھیل کر میں اپنا وقت برباد نہیں کر سکتا۔" احمر نے دوبارہ کہا۔

"پیٹھ دکھا کر بھاگ جانے والے قائر ہوتے ہیں میڈم۔"

علیزے وہاں سے جانے لگی جب حمزہ کی آواز پر مڑی۔

"تم لوگوں کو چیلنج دینا کتنا اچھا لگتا ہے۔ نہیں؟" علیزے سینے پر بازو لپیٹ کر آئی۔ سب لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"بات مت بدلو۔ بتاؤ میرے ساتھ بھی ایک میچ کھیلو گے تم دونوں؟" اس نے دونوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اب کے وہ اردو میں بول رہا تھا۔

"ہاں۔"

"نہیں۔"

علیزے نے ہاں میں جبکہ احمر نے ناں میں جواب دیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"No"

احمر نے زور دے کر علیزے کو کہا۔

"Yes"

اس نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ احمر مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے لیکن تم میری ٹیم میں رہو گی؟"

"کس خوشی میں؟"

"دیکھو۔۔۔" وہ اپنی آواز اونچی نہیں کرنا چاہتا تھا اسلئے ضبط سے کہہ رہا تھا۔

"یہ کوئی عام لڑکا نہیں ہے۔ ایک نمبر کا بد معاش ہے۔ کب کیا کر دے اسے خود نہیں معلوم ہوتا۔ اسی لیے تم میری ٹیم میں رہو گی۔ مجھے اسے ہینڈل کرنا آتا ہے۔"

اس نے اس مضبوط لہجے میں کہا تھا کہ علیزے کو ماننا پڑا۔

"یہ آخری بار ہے اس کے بعد میرے سائے سے بھی دور رہنا۔" اس نے انگلی دکھا کر تنبیہ کی۔

"یہ آخری بار ہی ہے اس کے بعد تم اس کا کوئی چیلنج ایکسیپٹ نہیں کرو گی۔ اسے تو عادت ہے چیلنج دے کر جان بوجھ کر ہروانے کی۔"

"تم واقعی وہ ہو۔"

"وہ کیا؟"

"ایڈیٹ" کہہ کر وہ مڑ گئی۔ احمر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔ اس کے منہ سے خود کے لیے ایڈیٹ سننا اچھا لگتا تھا۔

کچھ وقت بعد منظر کچھ یوں تھا کہ میدان میں ایک طرف حمزہ کی ٹیم تھی اور دوسری طرف احمر کی ٹیم۔ دونوں طرف پانچ پانچ ٹیم میٹس تھے۔ ایک لڑکے نے بال ہوا میں اچھالی اور سیٹی بجا دی۔ کھیل کا آغاز ہو گیا۔

بال حمزہ نے پکڑ لی اور اسے اچھالنے لگا۔ احمر نے اس سے بال پکڑنے کی پوری کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ حمزہ کے دائیں طرف تھا۔ اس نے آنکھوں سے علیزے کو اشارہ کیا۔ جسے وہ سمجھ گئی اور حمزہ کے پیچھے چلی گئی۔ اور اس کے مڑتے ہی اس سے باسکٹ بال اس سے چھین لی اور بھاگ کر گول کر دیا۔

“.....Hurraaayyyy”

ہجوم میں ایک ساتھ کئی آوازیں گونجیں۔ علیزے کا چہرہ بھی خوشی سے دمک رہا تھا۔ احمر بھی خوش تھا۔ پہلا گول انہوں نے کر لیا تھا۔ اس نے دور سے ہی علیزے کو انگوٹھے کے اشارے سے "گڈ جاب" کا اشارہ کیا۔ علیزے نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

پھر دوسرا راؤنڈ شروع ہوا اور اس بار گول حمزہ نے کیا۔ اب تیسرے راؤنڈ کی باری تھی یہ بھی حمزہ نے کیا تھا۔ چوتھے راؤنڈ میں علیزے بہت اصرار کر کے حمزہ کے مقابل آگئی تھی۔ احمر کو ڈر تھا کہ وہ اس بات کا فائدہ نہ اٹھالے اس لیے وہ علیزے کے قریب قریب ہی تھا۔

علیزے بال کو اچھالتی ہوئی گول کے قریب گئی۔ حمزہ نے پھرتی سے اس کے ہاتھ سے چھینی اور اچک لے گیا۔ علیزے نے بے بسی سے آنکھیں میچ لیں۔ احمر نے اسے ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ حوصلہ رکھے ابھی راؤنڈ ختم نہیں ہوا۔

اب بال پھر حمزہ سے ہو کر علیزے کے ہاتھ میں آچکی تھی۔ علیزے بھاگتی ہوئی گول تک جا پہنچی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ ہوپ hoop کے قریب حمزہ کے ایک ساتھی نے کیل پھینکے ہوئے تھے۔ احمر کی نظر ان پر پڑ گئی تھی۔

ابھی یہ وقت نہیں تھا کہ وہ علیزے کو روک پاتا۔ اسی لیے بھاگتا ہوا ہوپ تک پہنچا۔ بالکل گرنے کے سے انداز میں زمین پر سِلپ ہوا اور پاؤں سے کیل ایک طرف دھکیل دیے۔ علیزے نے بال ہوپ میں ڈال دی۔ اور اسی کے ساتھ وہ لوگ میچ جیت گئے۔

علیزے نے خوشی سے چھلانگ لگائی۔ اریبہ اور فلک اس کے پاس آگئیں۔ تماشائیوں نے بھی انھیں سراہا۔ حمزہ نے سختی سے مٹھیاں بھیج لیں۔ اور جانے کے لیے مڑا جب ...

"پیٹھ دکھا کر بھاگ جانے والے قائر ہوتے ہیں۔ مجھے congratulate نہیں کرو گے؟"

پیچھے سے علیزے نے اسے آواز دی۔ اس نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر اس کے پیچھے گرے احمر کو جس کے ہاتھ پر چوٹ لگی تھی۔ اسے دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں مسکرایا۔

"پہلے اپنے دوست کو تو سنبھال لو۔" ساتھ آنکھوں سے اشارہ کیا۔ علیزے نے مڑ کر دیکھا۔ احمر ابھی تک زمین پر گرا پڑا تھا۔ دائیں بازو کو اوپر کیا ہوا تھا اور آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

علیزے کو سمجھ نہیں آیا کیا ہو رہا ہے۔ وہ گول کرنے کے چکروں میں اسے تو بھول ہی گئی تھی۔ اسے یاد تھا جب وہ ہوپ کی طرف بڑھ رہی تھی تو وہ آیا تھا اور کچھ پاؤں سے پیچھے ڈھکیلا تھا۔ علیزے ہوپ کے قریب گئی وہاں سائنڈ پر کیل بکھرے پڑے تھے۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ حمزہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ اسی لیے وہ کیل وہاں پھینکے تھے اور اسے بچانے کے لیے احمر وہاں آیا تھا۔

"اوہ خدایا۔" اس نے احمر کو دیکھا جس کے قریب ایک دو لڑکے کھڑے تھے۔

علیزے کو بہت افسوس ہوا۔ احمر نے اسے منع بھی کیا تھا۔ لیکن اس نے نہیں مانی اس کی بات۔ وہ احمر کے قریب گئی۔

"تمہیں چوٹ لگی ہے۔" وہ پوچھ نہیں بتا رہی تھی۔ وہ چاہے اس سے بات نہیں کرتی تھی۔ اس سے دور رہتی تھی۔ پہلے دن والی بات بھی نہیں بھولی تھی لیکن یہ وہی انجان شخص تھا جس نے اس کی بھور بن میں کئی مرتبہ مدد کی تھی۔ اور اب وہ اس کی وجہ سے زخمی ہوا تھا۔

اس نے درد سے تر چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

"ہم میچ جیت گئے ہیں مبارک ہو۔" اسے اپنے درد کا احساس نہیں تھا۔ کیا بندہ تھا۔

"تمہیں چوٹ لگی ہے۔" اب کی بار اس نے زور دے کر کہا۔

"کچھ خاص نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔" احمر نے بے دھیانی والے لہجے میں کہا۔ لیکن علیزے اس کی نہیں سن رہی تھی۔ وہ احمر کے قریب ایک گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔

احمر کے دوست نامحسوس انداز میں وہاں سے ہٹ گئے۔ علیزے کو فکر نہ تھی کہ اس کی دوستیں کہاں ہیں۔ اس وقت اس کی وجہ سے کوئی زخمی ہوا تھا اور وہ اسے اکیلے میں چھوڑ کر نہیں جاسکتی تھی۔

"اپنا ہاتھ آگے کرو۔"

"سوری؟"

"اپنا ہاتھ آگے کرو مجھے تمہاری چوٹ دیکھنی ہے۔" کیا تھی یہ لڑکی۔ عجیب تھی تو بہت عجیب۔

پہلے بلا وجہ کا الزام لگا کر چار دن تک بات نہیں کرتی پھر ضد میں چیلنج لے لیتی ہے اور اب اسے بچاتے ہوئے چوٹ لگ گئی تو مرہم بھی لگانا چاہتی ہے۔

احمر نے خاموشی سے ہاتھ آگے کر دیا۔

"تمہیں رگڑ آئی ہے۔ تمہارے پاس Antiseptic ہے؟"

پہلے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر اس کے چہرے کو۔ جو بار بار اپنا درد چھپانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اس کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ویسے تو بڑی بڑی باتیں کرتے ہو کہ گھر سے نکلتے وقت ضروری سامان ساتھ رکھنا چاہیے۔

emergency میں ضرورت پڑ جاتی ہے۔ تو جو دوسروں کو درس دیتے ہو استاد جی اس پر خود بھی عمل کر کیا کرو۔" وہ خفگی سے اسے دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ احمر اس کی بات پر مسکرایا۔

"تو مطلب میرے وہ سبق تم نے یاد رکھے۔"

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے اب چپ چاپ بیٹھو۔" احمر ابھی تک مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ علیزے نے اپنے بیگ سے Antiseptic wipes نکالیں اور اسے پکڑائیں۔

"یہ لو اسے اپنے ہاتھ پر لگاؤ تھوڑا جلے گا لیکن infection نہیں ہوگی۔"

وہ ایک ماہر پروفیشنل کی طرح ہدایات دے رہی تھی۔ کسی بھی اینگل سے وہ لاء کی اسٹوڈنٹ نہیں لگ رہی تھی۔ احمر نے اس سے وہ وائپس پکڑ لیے۔ ایک کھولا اور ہاتھ کے قریب لے کر گیا۔ علیزے نے چہرا ہلکا سا موڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اور جب آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر درد یا تکلیف کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ اسے رگڑ آئی ہو اور یہ لگا کر اسے درد نہ ہو۔ علیزے نے کچھ بھی کہے بغیر اپنی انگلی سے وائپ کو اس کی چوٹ والی جگہ پر پریس کیا۔ احمر کی چیخیں نکل گئیں۔ ڈر کر علیزے نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ احمر کی چوری پکڑی گئی تھی۔ علیزے نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"مس لیڈ کرنا تمہیں بہت اچھے سے آتا ہے ویسے۔ جب میں نے کہا تھا کہ اس کو چوٹ پر لگاؤ تو کیوں نہیں لگایا۔ اپنی زندگی پیاری ہے یا نہیں۔"

احمر نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا لیکن اس نے منع کر دیا۔

"خاموش! بالکل خاموش۔ ادھر دو۔"

احمر نے خاموشی سے اسے وائپ پکڑا دیا۔

"یہ تھوڑا سا جلے گا برداشت کرنا۔"

"پہلے دن سے ہی کر رہا ہوں۔" وہ اونچا سا بڑبڑایا۔

"میں سن رہی ہوں۔"

"سنا ہی رہا ہوں۔"

"بہت بولنا آگیا ہے تمہیں۔"

"بہت سنانا آگیا ہے تمہیں۔"

وہ بچوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

اسی دوران علیزے نے وائپ سے وہ حصہ صاف کیا۔ احمر ضبط کیے بیٹھا رہا۔

"اپنا ہاتھ اوپر نیچے موو کرو۔"

"تم میری ڈاکٹر ہو؟"

"تمہیں میری وجہ سے چوٹ لگی ہے۔ اور میں اتنی سنگ دل نہیں ہوں کہ کسی کو میری وجہ سے چوٹ

لگے اور میں اسے ایسے ہی چھوڑ دوں۔ اب موومنٹ کرو اپنے ہاتھ کی۔"

وہ مزید کچھ نہیں بولا۔ بس خاموشی سے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی۔ ہلکا سا وہ اوپر کرتا لیکن درد بہت شدید تھی۔ ایک حد سے زیادہ اوپر نہ کر سکا۔

"اٹھو۔" ساتھ ہی علیزے کھڑی ہو گئی۔ احمر اٹھ گیا۔

"چلو میرے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"تمہیں first aid کی ضرورت ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ بس ہلکی سی رگڑ ہے یہ۔۔۔"

"جب انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ آگے کے نتیجوں کے بارے میں نہیں سوچتا

اور ایک دن یہی چھوٹی چھوٹی باتیں پہاڑ جتنی بڑی ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں پھر ہم کچھ نہیں کر

سکتے۔ تمہارے ہاتھ پر رگڑ آئی ہے اور دباؤ بھی پڑا ہے۔ اسی لیے ہاتھ موؤ نہیں کر رہا۔ اگر ابھی فرسٹ ایڈ نہ لی تو بعد میں زیادہ مسئلہ ہو گا۔ اب خاموشی سے میرے ساتھ چلو اور مجھے

emergency room تک لے کر جاؤ۔"

وہ روانی میں بولتی گئی۔ احمر خاموشی سے سنتا گیا۔

وہ بچہ نہیں تھا خود بھی جاسکتا تھا۔ اور یہ بات علیزے جانتی تھی۔ پھر بھی وہ خود ساتھ جانا چاہتی تھی۔ یہ صرف اسکی مدد کرنا نہیں تھا بلکہ گلٹ بھی تھا۔ اپنے پرانے رویے کا ازالہ بھی تو کسی طرح کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا علیزے اتنی آسانی سے نہیں مانے گی اسی لیے اس مدد کے پیچھے اس گلٹ کو چھپا رہی ہے۔ اور اگر وہ اپنا پردہ رکھنا چاہتی ہے تو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ پردہ اٹھا کر اسے شرمندہ کرے۔

احمر آگے چل رہا تھا اور علیزے اس کے پیچھے۔ دونوں E.R میں گئے۔ وہاں ایک سٹول پر وہ بیٹھ گیا۔ وہاں موجود اسٹاف میں سے ایک نے احمر کے ہاتھ کو دیکھا اور اوپر نیچے ہلایا جس سے احمر کو تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے مرہم لگا کر پٹی اس کے ہاتھ پر لپیٹنی شروع کی۔

"یہ پٹی بہت ڈھیلی ہے آپ اسے تھوڑا ٹائٹ باندھ دیں ورنہ اندر تک گرمائش نہیں پہنچے گی اور جلدی آرام نہیں آئے گا۔" علیزے نے اس اسٹاف ممبر سے کہا۔ اس نے اس کی ہدایت کے مطابق ویسا ہی کیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ اب وہاں وہ دونوں تھے اور خاموشی۔

"آئی ایم سوری۔" علیزے کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"اس نے وہ کیل مجھے زخمی کرنے کے لیے بچھائے تھے اور چوٹ تمہیں لگ گئی۔"

"اصل بات یہ نہیں ہے جس کے لیے تم سوری بول رہی ہو۔"

اور علیزے کیسے بھول سکتی تھی کہ وہ باتوں کے پیچھے چھپے سچ اس کے چہرے سے پڑھ لیتا تھا۔

"میں نے تمہاری بات نہیں مانی اور چیلنج لے لیا اسی لیے یہ سب ہوا آئی ایم سوری۔"

"اس کا پورا گروپ یونی میں بد معاشی کے لیے مشہور ہے۔ اسے کسی کا بھی ڈر نہیں ہے۔ وہ ایسے ہی لوگوں کو ہرٹ کرتا ہے۔ کیونکہ اسے مزہ آتا ہے۔ میں اس کی عادت سے واقف تھا اس لیے منع کیا تھا۔ لیکن آپ کو اپنی انا اور ضد زیادہ عزیز تھی۔" وہ بات تو ٹھیک کر رہا تھا۔

"اس پٹی کو اتارنا نہیں ہے۔ گھر جا کر نیم گرم دودھ میں ہلدی ملا کر پی لینا۔ درد کا جلدی آرام آجائے گا۔ اور کوشش کرنا کہ ہاتھ کم سے کم موو ہو۔ ایک ہفتے میں آرام آجائے گا۔ انشاء اللہ۔ اب میں چلتی ہوں۔"

"ویٹ"

"جب تم پہلے دن آئی تھی میں نے تم سے سختی سے بات کی تھی۔ اس کے لیے آئی ایم سوری۔ اور تمہیں بیسمنٹ میں، میں نے لوک۔۔۔"

"نہیں کیا تھا جانتی ہوں مجھے پتہ چل گیا تھا۔"

"کیسے"

"یشاء نے بتایا تھا۔۔۔"

احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

"ہاں۔"

"تم اس یونی میں کیسے؟"

"میں نے لاء میں ایڈمیشن لیا ہے۔"

"اوہ۔" اسے لگا تھا وہ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو گی۔

"تم؟"

"Business and management"

"سیکنڈ ایئر ہے۔ سو اس لحاظ سے میں تمہارا سینئر ہوا۔ اور اس سینئر کی طرف سے۔"

وہ کھڑا ہوا۔

"Welcome to the university Miss Alizey"

علیزے نے مسکراتے ہوئے تھینک یو بولا اور وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"گہری مکرہٹ"

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ احمر اپنے کمرے میں تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے جم سے واپس آیا تھا۔ اب وہ کھانا کھانے جا رہا تھا۔ بازو پر گرم پٹی ابھی تک بندھی تھی۔ اس پٹی کی وجہ سے کافی حد تک افاقہ ہوا تھا۔

جب وہ نیچے اترتا تو ڈائننگ ٹیبل پر امی اور ابو بیٹھے تھے۔ وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے بازو پر کیا ہوا ہے؟" اس کی امی نے اب دیکھا تھا کیونکہ اس نے آدھی آستین والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"کچھ خاص نہیں بس ہلکی سی رگڑ آئی تھی۔" اس نے بے حد لاپرواہی سے جواب دیا۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا اور ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟" اس کی امی کافی فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔ ان کے استفسار پر اسے علیزے سے کی بات یاد آئی۔

(یہ پٹی بہت ڈھیلی ہے آپ اسے تھوڑا ٹائٹ باندھ دیں ورنہ اندر تک گرمائش نہیں پہنچے گی اور جلدی آرام نہیں آئے گا۔)

"جی امی میں ڈاکٹر کے پاس گیا تھا اور اسی سے پٹی کروائی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں۔"

"تم بہت لاپرواہ ہو رہے ہو احمر۔" اس نے مسکرا کر اپنی امی کو دیکھا۔

"آپ پریشان مت ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اپنا دھیان رکھا کرو بیٹا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایسے نظر انداز مت کیا کرو۔" اب کی بار ابو بولے

تھے۔ احمر نے مسکرا کر سر تسلیم خم کر دیا۔

پھر وہ کھانا کھانے لگا۔

(اس پٹی کو اتارنا نہیں ہے۔ گھر جا کر نیم گرم دودھ میں ہلدی ملا کر پی لینا۔ درد کا جلدی آرام آجائے گا۔)

وہ کھانا کھاتے ہوئے مسکرا رہا تھا نہ جانے کیوں۔

اس کی امی اس کے چہرے کی خوشی بخوبی نوٹ کر رہی تھیں۔

"تمہیں کچھ چاہیے بیٹا۔" نگہت کھنکھاریں۔ احمر نے ایک دم مسکراہٹ چھپائی۔

"نا۔۔۔ نہیں۔۔۔ بلکہ ہاں۔۔۔ مجھے ہلدی والا دودھ چاہیے۔"

انہوں نے مزید کچھ نہیں کہا بلکہ سر ہلا کر اٹھنے لگیں۔

"آپ رہنے دیں میں لے لیتا ہوں۔" وہ واپس بیٹھ گئیں۔

احمر اٹھ کر کچن میں آیا۔ کینبٹ سے ہلدی نکالی۔ ایک پین پکڑا۔ اس میں ایک کپ دودھ انڈیلا۔ اور فلیم کو بالکل لو کر دیا۔ پھر سینے پر بازو لپیٹ لیے۔

(تمہارے ہاتھ پر رگڑ آئی ہے اور دباؤ بھی پڑا ہے۔ اسی لیے ہاتھ موؤ نہیں کر رہا۔ اگر ابھی فرسٹ ایڈ نہ لی تو بعد میں زیادہ مسئلہ ہو گا۔ اب خاموشی سے میرے ساتھ چلو۔)

اس کی باتوں کو یاد کر کے اس کے چہرے پر خود بخود مسکراہٹ بکھر جاتی تھی۔

(اس نے وہ کیل مجھے زخمی کرنے کے لیے بچھائے تھے اور چوٹ تمہیں لگ گئی۔)

"جتنی روڈ دکھتی ہے اتنی ہے تو نہیں۔" اس نے جیسے خود سے تبصرہ کیا۔

"میں نے ضرورت سے زیادہ ہی تلخ لہجے میں بات کی تھی۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

دودھ پر ہلکے ہلکے بلبے آرہے تھے اس نے ایک چمچ ہلدی اس میں ڈالی اور ہلانے لگا۔

"وہ تو میں نے بس اس لئے کہا تھا کہ دوبارہ ایسے کسی کی باتوں میں نہ آجائے۔ اس کے بھلے کے لیے ہی کہا تھا۔" خود کو خود ہی تسلی دی۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم خود سے باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔"

وہ اپنی سوچوں میں اتنا گم تھا کہ کب نگہت اس کے پاس آئیں اسے پتہ نہ چلا۔

وہ ایک معمر خاتون تھیں۔ چہرہ جھریوں سے پاک تھا۔ نقوش پرکشش تھے۔ یقیناً وہ اپنی جوانی میں بے حد خوبصورت تھیں۔

امی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ احمر نظریں چرا گیا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" امی مسکرائیں۔

"ماں سے جھوٹ بولو گے؟" احمر مسکرایا۔ پھر ماں کی طرف مڑا اور ان کا ماتھا چوما۔ انھیں اپنے ساتھ لگایا۔

"میری پیاری ماں ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ اپنی معصوم اولاد پر بلا وجہ کا الزام لگا رہی ہیں۔"

"ہاں میں بھی دیکھوں گی یہ معصوم اولاد سچ کب بولتی ہے۔" وہ ہنسا۔

"مائیں کب اپنی اولادوں کا یقین کرنا سیکھیں گی۔" اس نے ڈرامائی انداز میں سر تاسف سے ہلایا۔ نگہت ہنس پڑیں۔

صرف وہی تھا جو انھیں ہنسا سکتا تھا۔

"جب بچے سچ بولنا شروع کریں گے۔"

اس نے نیم گرم ہلدی والا دودھ کپ میں ڈالا۔ وہیں سنک میں رکھا اور جگہ صاف کرنے لگا۔ اس سارے میں اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ نگہت بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ایسے ہی مسکراتے رہا کرو۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں پہلی دفعہ مسکرا رہا ہوں۔"

"اونہوں۔ مسکراتے تھے لیکن ایسی مسکراہٹ پہلے نہیں تھی۔ اب کچھ مختلف ہے اس میں۔ ایک چمک ہے۔ کچھ پالینے کی چمک۔ کچھ مل جانے کی چمک۔"

کیا ماں سے بہتر کوئی اولاد کے دل کا حال جان سکتا ہے؟

احمر نے ماں کی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔

"مجھے تو نظر نہیں آ رہی۔"

"کیا؟"

"ایکس رے مشین۔"

"احمر.... باز آ جاؤ۔"

احمر کپ پکڑ کر اپنے کمرے کی بالکونی میں آ گیا۔ نظریں دور افق پر تھیں، ذہن کہیں اور۔

"کم عقل مند لڑکی اس وقت کیا کر رہی ہو گی۔"

اس سے میلوں دور علیزے اپنے کمرے کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا تھا۔ لیپ ٹاپ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کمرے کی روشنیاں مدھم تھیں۔

(جب تم پہلے دن آئی تھی میں نے تم سے سختی سے بات کی تھی۔ اس کے لیے آئی ایم سوری) نظریں سکرین پر تھیں، ذہن کہیں اور۔

"کیا ضرورت تھی بھلا شیرنی بننے کی۔ ابھی مجھے جاتے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو میں نے اس لڑکے کا چیونچ لے لیا۔ بلا وجہ بچارے مسٹر ایڈیٹ کو چوٹ لگ گئی۔ پتہ نہیں اب اس کا ہاتھ کیسا ہو گا۔"

(احمر نے اپنا ہاتھ ہلانا چاہا۔ درد اب بھی تھا لیکن پہلے سے کافی بہتر تھا۔ ہلدی والا دودھ اثر کر رہا تھا۔) "مسٹر ایڈیٹ۔" وہ جیسے خواب سے جاگی۔

"اس کا نام کیا ہے۔" اس نے یاد کرنا چاہا۔ "سب اسے اے کے بلاتے ہیں۔ لیکن اس کا اصل نام کیا ہے۔ میں نے تو کبھی پوچھا ہی نہیں۔"

"ویسے اتنا بھی برا نہیں ہے۔ بس ذرا شوخا ہے۔" خود ہی اپنی بات پر ہنسی اور کام میں لگ گئی۔

باہر رات قطرہ قطرہ سرک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم، میں اور کتابیں"

اگلے کچھ دنوں تک سب کچھ معمول سے تھوڑا ہٹ کر تھا۔ کچھ دنوں میں ویکم پارٹی تھی اسی کی تیاری میں سب مگن تھے۔ ہر چلتا پھرتا شخص تیاریوں کے بارے میں بات کرتا تھا۔ ان سب سے بے نیاز علیزے لائبریری میں کتابیں ڈھونڈنے میں مگن تھی۔ لائبریری میں بہت خاموشی تھی، پرسکون خاموشی۔

یہ بہت وسیع لائبریری تھی جس کی دیواریں آسمان کو چھوتی تھیں۔ ریکس بڑے اور چوڑے تھے۔ سفید اور بھورے رنگ کے۔

ہر ایک ریک کے بعد بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن سے روشنی اندر آتی تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگوں کے سائے بھی اس میں بنتے تھے۔

ایسی ہی ایک ریک کے پاس علیزے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیپر تھا جس پر چند کتابوں کے نام لکھے تھے۔ اسے وہی کتابیں چاہیے تھیں۔

اس نے ایک کتاب اس کی جگہ سے نکالی تو نوار کا چہرہ ظاہر ہوا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی، کتاب نیچے گر گئی۔ وہ کتاب اٹھانے کے لیے جھکی اور جب سامنے دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

شاید اس کا وہم ہو گا۔ اس نے سر جھٹکا اور پھر سے کتابیں دیکھنے لگی۔

ایک دو کتابیں اس نے اور دیکھیں۔ یہ اس کی مطلوبہ کتابیں نہیں تھیں۔ جس author کی کتابیں جن editions میں چاہیے تھیں یہ وہ نہیں تھیں۔

وہ کب سے کتابیں ڈھونڈ رہی تھی لیکن وہ ملنے کو نہیں دے رہی تھیں۔

اس نے منہ بسور کر کتابیں واپس رکھیں اور دوسری طرف جانے لگی۔

جب وہ ایک ریک کر سرے پر پہنچی تو کوئی اس ریک کی اوٹ سے نکل کر اس کے سامنے آیا۔

"ہائے..." علیزے ڈر کر پیچھے ہٹی۔ وہ اس کا کوئی وہم نہیں تھا۔ اس نے واقعی اسے دیکھا تھا۔ یہ شخص... یہ ہمیشہ ایسے سامنے آ کر ڈرا کیوں دیتا تھا۔

احمر مسکرا کر اس سے مخاطب ہوا۔ اس کے منہ میں لالی پوپ تھی۔

"یہ کوئی طریقہ ہے سامنے آنے کا۔"

وہ جو مسکرا رہا تھا، مسکراہٹ کی جگہ مصنوعی خفگی نے لے لی۔

"تمہاری بات ہی مان رہا تھا۔ تمہیں ہمیشہ مجھ سے گلہ رہتا تھا کہ میں پیچھے سے آتا ہوں اسی لیے اب

آگے سے آتا ہوں۔"

"یہ احسان مت کرو مجھ پر۔"

"جب نہیں ہوں گا تب یاد کرو گی کہ تمہارے کہنے پر کوئی پیچھے سے نہیں سامنے سے آتا تھا۔"

"میں کیوں یاد کروں گی۔ مجھے تو سکون ہو گا۔ اللہ اللہ تم کسی دن مجھے ہارٹ اٹیک کرواؤ گے۔"

"No worries"

"ایمبولینس کا انتظام میں کروا دوں گا اور وقت پر ہسپتال بھی پہنچا دوں گا۔ تم بچ جاؤ گی۔ لیکن ہاں ہسپتال کے بلز تم خود دو گی۔"

"اُف ف ف ف ف...."

علیزے پھر سے کتابیں دیکھنے لگی۔ احمر لالی پوپ کھاتا ہوا اس کے ساتھ چل پڑا۔

"ویسے میں پوچھ سکتا ہوں تم یہاں کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" وہ ریک کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ اس نے سیاہ جینز کے اوپر ہلکے بھورے رنگ کی شرٹ پہنی تھی ساتھ لیدر کی جیکٹ۔ یہی اس کا casual لک تھا۔

"کولڈ ڈرنک اور سینڈوچ۔" علیزے نے چہرہ اس کی طرف موڑا اور سنجیدگی سے کہا۔

"سیریلٹی۔" وہ ہنسا۔ "میڈم یہاں سے کتابیں ملتی ہیں کولڈ ڈرنک اور سینڈوچ نہیں۔"

"اگزیٹلی۔" یہاں سے کتابیں ملتی ہیں مسٹر۔ جب پتہ ہے تو کیوں پوچھ رہے ہو۔" علیزے نے چڑ کر اسے کہا۔

احمر نے جھک کر کتابوں کے نام پڑھے۔

"یہ کتابیں تمہیں یہاں نہیں ملیں گی۔ تم انھیں یہاں کیوں ڈھونڈ رہی ہو؟"

"اور تمہیں کیسے پتہ کہ یہ کتابیں مجھے یہاں نہیں ملیں گی۔" وہ اس کی طرف مڑی اور سوالیہ نظروں سے اسے جانچا۔

"کیونکہ مادام میں آپ سے پہلے کا یہاں زیر تعلیم ہوں۔ یہ کتابیں یہاں نہیں ہیں۔ اور میں جانتا ہوں تم نے کس سے مدد لی ہو گی ان کتابوں کو ڈھونڈنے کے لیے۔"

آہ۔ علیزے کیسے... کیسے بھول گئی تھی کہ اس انسان سے کچھ بھی چھپانا مشکل تھا۔ یہ وہی تھا جو اس کے دل کی باتیں بڑے آرام م م م م م سے اس کے منہ پر کہہ دیا کرتا تھا۔ اس نے کسی سینئر سے کتابوں کا پوچھا تھا۔ اور سینئرز کہاں کسی کے سگے ہوتے ہیں۔

"میں نے کسی سینئر سے پوچھا تھا اس نے انھی دو سائیڈز کا بتایا تھا۔" احمر نے پیپر کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس نے کچھ بھی کہے بغیر اسے پکڑا دیا۔

"ان کے latest edition چاہیے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" کہہ کر وہ مڑ گیا اور دوسری طرف جانے لگا۔ علیزے اس کے پیچھے نہیں گئی اسے لگا شاید یہ بھی پرینک نہ کر رہا ہو۔ احمر نے قدم روک کر اسے دیکھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ علیزے کیوں اس کے ساتھ نہیں آرہی۔

"مجھ پر پھروسہ ہے۔"

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"اپنے روم میں۔۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"ابھی تو (گھڑی کی طرف دیکھا) آٹھ بجے ہیں آپ میرے ساتھ آئیں مجھے کچھ دکھانا ہے۔"
علیزے نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"ارے آپ پریشان مت ہوں۔ آپ کو یقین ہے میرے اوپر؟"

(نادانستگی میں علیزے کا سر ہاں میں ہل گیا۔)

کسی میکانگی انداز میں اس نے اپنا سر ہلا دیا۔ جیسے بھور بن میں ہوا تھا۔
ہاں۔ وہ اس پر بھروسہ کرتی تھی۔

شاید۔

علیزے اس کے پیچھے چل پڑی۔ وہ گول ریکس والی سائڈ پر گیا۔ درمیان میں سیڑھیاں تھیں جو نیچے جاتی تھیں۔ ہر ریک کے ساتھ ایک بڑی سی کھڑکی بنی تھی جس سے روشنی اندر آرہی تھی۔

"جو کتابیں تم ڈھونڈ رہی تھی وہ old version ہے۔ یہاں سب سینئرز کو پتہ ہے اور جو latest edition آئے ہیں وہ ابھی تک اپنی جگہوں پر سیٹ نہیں کیے گئے۔ وہ سب یہاں ہیں۔
سو تمہیں جس نے بھی بتایا ہے غلط بتایا ہے۔"

لوجی وہ پھر سے کسی کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی تھی۔ علیزے نے گہری سانس خارج کی۔ اور ایک کرسی پر ڈھے سی گئی۔ احمر اس کے پاس آیا۔ اور اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ پھر جینز کی پاکٹ سے ایک لالی پوپ نکال کر ٹیبل پر اس کے آگے کھسکا دی۔

"کسی نئی جگہ پر آکر adjust کرنا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔ نئے لوگ ملتے ہیں، نئی چیزیں ہوتی ہیں۔ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا نظر آتا ہے اور نہ ہی ہر انسان ویسا ہوتا ہے جیسا وہ دکھائی دیتا ہے۔ یہاں بات کرو، جس سے بھی کرنی ہے۔ جو پوچھنا ہے وہ پوچھو لیکن اسے آدھا سچ مانو اور آدھا خود تلاش کرو۔ تمہیں ابھی یہاں آئے ایک دو ہفتے ہی ہوئے ہیں اسی لیے اس جگہ سے اتنی مانوس نہیں ہو لیکن جلدی عادت بن جائے گی اور تب تک اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم مجھ سے مدد لے سکتی ہو۔ آخر سینئرز ہی جونیئرز کے کام آتے ہیں۔" آخر میں وہ مسکرایا۔ علیزے نے شکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم بھی انھی seniors میں سے ایک ہو، کیا پتہ تم بھی کبھی ایسے ہی کوئی شرارت کرو۔"

آس پاس کی کتابوں کا رخ ان دونوں کی طرف تھا۔ وہ کیا سننا چاہتی تھیں؟

"ویل شرارت کرنا میری فطرت میں ہے لیکن بے فکر رہو۔ میں تمہیں مس گائیڈ نہیں کروں گا۔ ابھی تم لولی پوپ کھاؤ؟" علیزے نے آس پاس دیکھا۔

"میں ورک پلیس پر لولی پوپ کھاتی اچھی لگوں گی؟ کیسی بچوں والی باتیں کر رہے ہو؟" اور احمر کو یاد تھا کہ وہ سکول میں ہر وقت ہی لالی پاپ کھاتی ہوئی ملتی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر دائیں بائیں ہلایا۔

"بچپنا تو ہر انسان میں ہوتا ہے اور عمر کے ہر حصے میں ہوتا ہے۔ جس انسان کے اندر کا بچہ اگر زندہ ہے مطلب وہ زندگی انجوائے کر رہا ہے۔ اور یہ لالی پوپ.. یہ تو mind relax کرتا ہے۔ اسے

چباتے وقت آپ اچھا سوچ سکتے ہیں۔ نئے آئیڈیاز آتے ہیں۔ stress reliever ہے۔ مجھے جب بھی کوئی کام ہو تو میں ایک لالی پوپ منہ میں ڈال لیتا ہوں اور اپنا کام کرتا ہوں ایسے میرا دھیان کہیں اور نہیں جاتا اور کام بھی آرام سے ہو جاتا ہے۔ آزما کر دیکھ لو۔"

"کیسے"

"یہ کھاؤ اور پھر کتابیں ڈھونڈو جلدی مل جائیں گی۔ چلو۔" احمر کھڑا ہوا تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

واپس ایک ریک کی طرف جا کر احمر نے پیپر اسے پکڑا دیا۔

"جانتی ہونا کیا کرنا ہے؟"

"اب اتنی بھی بچی نہیں ہوں پتہ ہے تمہیں نام بتانا ہے اور تم وہ کتابیں نکال دو گے۔"

احمر نے دونوں آبرو اچکا کر ایک انوکھے انداز سے اسے دیکھا۔

"سیر نسلی؟"

"آف کورس۔۔" اس نے زور دے کر کہا۔

اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

علیزے نے لالی پاپ کا ریپر اتارا اور منہ میں ڈال لیا۔ آس پاس کے لوگوں سے بے فکر و بے پرواہ۔

اپنی آنکھیں بند کر کے اس نے ذائقہ محسوس کیا۔ کتنا عرصہ ہوا تھا اس نے لالی پوپ کھانا بند کر دیا تھا۔

احمر نے اسے یوں دیکھا تو مسکرا دیا۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا اس لڑکی کے ماضی میں کہ وہ اتنی بدل گئی تھی۔ خیر احمر نے سر جھٹکا اور پہلی کتاب ڈھونڈنے لگا۔ پھر علیزے اسے کتابوں کے نام پڑھ پڑھ کے بتاتی گئی اور وہ نکالتا گیا جو کتابیں وہ پچھلے بیس منٹوں میں نہیں ڈھونڈ سکی اس نے پانچ منٹ میں ڈھونڈ دیں۔

"یہ لیں مادام آپ کی مطلوبہ کتابیں۔" علیزے نے ایک نظر ان کتابوں کو دیکھا پھر احمر کو۔ اسے لگا وہ ہمیشہ کی طرح اس کا شکریہ ادا نہیں کرے گی اسی لیے وہ جانے کے لیے پلٹ گیا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا جب۔۔۔

"تھینک یو"

اس کے تھینک یو نے احمر کو روک دیا۔

پھر سر کو خم دے کر مڑا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" وہ پھر رک گیا۔ بچپن میں احمر نے اس سے پہلی دفعہ اس کا نام پوچھا تھا اور آج وہ پوچھ رہی تھی۔ درمیان میں کیا تھا۔

صرف دس سال۔ اور ان دس سالوں کی مسافت۔ جسے پار کر کے وقت انھیں اس مقام تک لایا تھا۔

("تمہارا نام کیا ہے؟" ناجانے کس خیال کی تحت وہ پوچھ بیٹھا۔ چشمے والی لڑکی نے پھر سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اُف او۔ اتنی دیر سے میں نے نام ہی نہیں بتایا۔" اسے ناچاہتے ہوئے بھی اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"میرا نام علیزے رئیس سکندر ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ مسکرانے سے اس کی چھوٹی آنکھیں اور چھوٹی ہو گئیں۔

"اور تمہارا؟"

"میرا نام۔۔ احمر خان زادہ ہے۔۔"

وہ مڑا اور اچھنبے سے اسے دیکھا۔

"ابھی تک تو میرا نام معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔" اب بھی علیزے کو ایسے ہی یاد آیا کہ وہ نام پوچھ لے پہلے بھی وہ نہیں پوچھ سکی تھی۔

"میں نے سب سے AK سنا تھا اصل نام کیا ہے؟" اس کی بات پر احمر مسکرا دیا۔ گال کا گڑھا واضح ہوا۔

چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"میرا نام... (وقفہ دیا) احمر ہے۔"

"احمر خان زادہ"

"Ahmer khan zada "

نام بتا کر وہ خاموش ہو گیا۔ شاید اب علیزے کو کچھ یاد آجائے۔

شاید ... شاید

علیزے نے صرف سر ہلایا۔ یعنی نہیں۔

وہ مڑ گیا۔ کتابوں نے بھی اپنا رخ واپس موڑ لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بھی ہال میں تیاریاں کر رہے تھے۔ علیزے، اریبہ اور فلک کے ساتھ تھی اور احمر اپنے دوستوں کے ساتھ۔ وہ لوگ کچھ شگل میلہ لگا کر کام کر رہے تھے ان کے برعکس علیزے وغیرہ بس کام کر رہے تھے۔ فلک کوئی بات بتا رہی تھی اور علیزے اور اریبہ اس پر ہنس رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد announcement ہوئی اور سب کام چھوڑ کر stage کے پاس آگئے۔ ڈائریکٹر سب کو ویلکم پارٹی کے متعلق ہدایات دے رہے تھے۔

"یاررررر میں کیا پہنوں گی ویلکم پر۔ میرے پاس تو کوئی ڈھنگ کا جوڑا بھی نہیں ہے۔" کہنے والی فلک تھی۔

اب وہ لوگ گراؤنڈ میں تھے۔

"تم کچھ بھی پہن لو لگوگی تو ویسی ہی جیسی ہو۔"

"ویسی سے کیا مطلب ہے۔"

"نک چڑی " دونوں ہنس پڑی۔

"علیزے تم بتاؤ۔" اریبہ نے پوچھا۔

"میرے پاس ایک ڈریس ہے وہی پہنوں گی۔"

"تم دونوں پلیز میرے ساتھ شاپنگ پر چلو نا مجھے بھی کچھ لینا ہے۔"

"اچھا اچھا رومت چلیں گے ہم۔"

"لیکن لنچ تمہاری طرف سے ہو گا۔"

"مجھ معصوم پر اتنا ظلم۔۔۔"

"معصوم نہیں شیطان بولو۔۔۔۔۔"

وہ دور جا رہے تھے۔ ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔۔۔

سب خوبصورت تھا۔

اور خوبصورتی تو محض نظروں کا دھوکہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"برقی قتموں کی برسات"

شام کے وقت سڑکوں کی پولز لائٹس روشن کر دی گئی تھیں۔ آسمان ہلکا ہلکا نارنجی تھا۔ صبح کی سفیدی ابھی سیاہی میں نہیں بدلی تھی۔ زرد بتیوں نے سڑکوں کے کناروں پر ہالے بنا لیے تھے۔ آسمان پر آدھا چاند نکلا ہوا تھا۔ ستارے اس طرح سے چمکتے تھے گویا برقی قتموں کا سا گمان ہوتا تھا۔

مصروف سڑکوں پر گاڑیاں رواں دواں تھیں۔ انہیں گاڑیوں میں سے ایک گاڑی میں اس وقت علیزے اور معظم سوار تھے۔

"تم اکیس سال کی ہو۔ میچیور ہو۔ شاید ذہین بھی لیکن مجھ جتنی نہیں اور میرے اندازے کے مطابق تم ڈرائیونگ بھی سیکھ سکتی ہو۔" معظم ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا کب سے اس موضوع پر بات کر رہا تھا۔ بیچارہ اس کے لیے ڈیوٹیاں دیتے دیتے تھک گیا تھا۔

"میں کیوں سیکھوں۔ ابھی میرا بھائی زندہ ہے نا۔" علیزے نے مسکرا کر جواب دیا۔ معظم نے ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔

گاڑی اپنی منزل تک پہنچ چکی تھی۔ علیزے کے پاس آئی ڈی کارڈ تھا اسی لیے ان کی گاڑی کو اندر آنے دیا گیا۔ یونی کے گیٹ کے پاس اس نے گاڑی روکی۔

"منہ پر سرخی پاؤڈر کم لگانا تھا کوئی ڈر نہ جائے تمہیں دیکھ کر۔"

علیزے جو دروازہ کھول کر نکل رہی تھی اس کی بات پر رکی۔ اس وقت کوئی کشن نہیں تھا ورنہ وہ اس کو دے مارتی۔

"معظم ہم گھر پر نہیں ہیں سڑک پہ ہیں اور یہاں کشن نہیں پتھر ملیں گے۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ تم زخمی حالت میں گھر پہنچو؟" معظم ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

علیزے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے بلڈنگ پر بڑے بڑے حروف میں پوسٹر پر لکھا تھا

WELCOME JUNIORS TO THE WORLD OF EDUCATION AND ENTERTAINMENT

یونی کے پچھلی جانب کھلا میدان تھا۔ ساتھ ہی ایک ہال تھا بڑا سا۔ جو ایسے ایونٹس کے لیے مختص تھا۔ ویلکم پارٹی کا انتظام وہیں کیا گیا تھا۔

وہ چلتی ہوئی گراؤنڈ تک جا رہی تھی۔

ہال کے سرے پر ایک بہت بڑی کینوپی لگی تھی۔ جسے سجایا گیا تھا۔

لوگ اس کے آس پاس کھڑے تصاویر کر رہے تھے۔

ہال کی طرف جانے والے راستے میں سرخ رنگ کا کارپٹ بچھایا گیا تھا۔

ریڈ کارپٹ۔

علیزے نے اپنی سیاہ ہیلز والا دایاں پاؤں اس کارپٹ پر رکھا پھر بایاں۔ پھر قدم قدم چلتی رہی۔ اس نے سیاہ رنگ کی میکسی پہن رکھی تھی۔ جس کی سب سے باہر والی لیئر باریک جالی دار تھی۔ اس پر باریک باریک کام موتیوں کا ہوا تھا۔ روشنی پڑنے سے وہ جگہ جگہ سے چمکتا تھا۔ ہونٹوں پر nude شیڈ لگایا تھا، آنکھوں کا سموکی میک آپ کیا تھا۔ ساتھ گرے رنگ کے لینز بھی لگائے تھے جس سے اس کی چھوٹی آنکھیں آج بڑی بڑی لگ رہی تھیں۔ گال گلابی گلابی تھے۔ بال اس نے کرل کر کے کھلے چھوڑ دیے تھے۔ ہاتھ میں ایک سیاہ تتلی جیسی انگوٹھی پہنی تھی، کانوں میں سیاہ بالیاں تھیں۔ بلاشبہ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ وہ عام دنوں کی نسبت کافی مختلف لگ رہی تھی۔

علیزے ہال تک پہنچی۔ وہاں دائیں اور بائیں طرف seniors کھڑے تھے۔ ایک طرف لڑکے، دوسری طرف لڑکیاں اور بیچ میں ریڈ کارپٹ۔

لڑکی نے علیزے کو welcome card پکڑایا پھر سرخ پھولوں کا بُکے اسے تھمایا اور خوش آمدید کہا۔ ساتھ ایک ماسک بھی پکڑا دیا۔ یہ تھیم پارٹی تھی جس میں سب کو ماسک پہننا تھا۔ علیزے کا ماسک سیاہ رنگ کا تھا۔

اس نے وہ ماسک لگا لیا۔

پھر سینئر نے اس سے ایک دو سوال کیے۔

سب جونئرز کے ساتھ شغل میلہ لگا رہے تھے۔

دوسری طرف ایک اور ریڈ کارپٹ بچھا تھا۔ جہاں لڑکے لڑکیاں ماڈلنگ کر رہے تھے۔ کوئی کسی کو گرا کر آگے جا رہا تھا تو کسی کو ساتھ لیے چل رہا تھا۔ کوئی تصاویر بنوا رہا تھا۔

علیزے ریڈ کارپٹ پار کر کے اندر آئی۔

احمر اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ایک طرف کھڑا تھا۔ entrance اس کی پشت پر تھی۔ وہ کب سے علیزے کا منتظر تھا۔

آج اس نے سیاہ پینٹ کے اوپر سفید شرٹ پہنی تھی اور سیاہ کوٹ۔ وہ تھری پیس ڈنر سوٹ میں بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔

علیزے نے جیسے ہی حال میں پہلا قدم رکھا احمر کا دل زور زور سے ڈھرنے لگا۔ آس پاس کی آوازیں بند ہو گئیں بس اسے اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔ اور کچھ محسوس کیا کہ اس کا دل کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ آگئی ہے۔" دل نے گواہی دی۔ احمر نے آہستہ سے سے مڑ کر دیکھا۔ سامنے سیاہ میکسی میں، سیاہ ماسک لگائے ایک لڑکی کھڑی تھی ہاتھوں میں گلابوں کا بُکے تھا۔

کہتے ہیں کسی کو دیکھنے کے لیے آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن پہچاننے کے لیے نہیں۔ اس کے دل نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ علیزے ہی تھی۔ وہی جو دس سال پہلے اس کے سامنے تھی، وہی جو بھور بن میں دس سال بعد اس کے سامنے تھی، وہی جو ایک ہفتے بعد اس کے سامنے تھے اور وہی جو ابھی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اب سامنے ہی ہوا کرتی تھی۔

انتظار ... انتظار اپنی پہچان آپ کروا دیتا ہے۔

اسے دیکھ کر احمر کی آنکھیں اسی پر جم گئیں۔ اطراف میں سب دھندلا گیا تھا.....

ماحول میں ایک مدھم موسیقی چل رہی تھی۔

فضا میں پرسوز نغمہ کھل گیا تھا۔

آسمان سے برقی قمقموں کی برسات ہو رہی تھی۔

پریاں رقص کرنے لگیں۔

شادیاں بجنے لگیں۔

احمر نے اپنا ہاتھ پہلو میں گرا لیا۔ کسی نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو نظر لگاؤ گے کیا؟"

کان کے قریب سرگوشی کر رہی تھی۔ سرگوشی میں وہ ہنسی۔

وہ اسے نظر کیسے لگا سکتا تھا۔ اس کی نظر تو خود اس کے دل نے اتری تھی۔

وہ اس کی نظروں میں آنے والی پہلی لڑکی تھی۔

وہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی۔

علیزے کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ میکسی کو اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا وہ پاؤں سے نیچے تک آتی تھی۔ وہ چلتی ہوئی احمر کے قریب آئی احمر کو اپنا دل رکتا محسوس ہوا۔ وہ اس کے قریب سے گزری۔

"ماشاء اللہ۔" دل نے پھر سے نظر اُتاری۔

علیزے رک گئی۔

فوراً مڑی۔

اسے لگا کسی نے اسے پکارا ہے۔

یا شاید وہ کسی کو پہچان گئی ہے۔

اس کے سامنے سیاہ ڈریس سوٹ میں ملبوس ایک نوجوان کھڑا تھا۔

اس کی آنکھیں ہیزل رنگ کی تھیں۔

چہرے پر سفید ماسک لگا رکھا تھا۔

"احمر۔؟" پکارا گیا۔ پہچان کی گئی۔

"علیزے۔؟" تصدیق ہوئی۔

الہام، وجدان کہیں پیچھے رہ گیا۔ دل کی گواہی بازی لے گئی تھی۔

ہال کی لائٹس ایک دم زور سے چمکنے لگیں۔

اسی وقت ہوا میں آتش بازی ہوئی۔ رنگ برنگی روشنیاں آسمان کی زینت بن گئیں۔ کچھ لوگ وہ منظر دیکھنے باہر چلے گئے۔

کچھ وجدان کی سی کیفیت میں وہیں کھڑے رہے۔

ہال کی لائٹس بند کر دی گئیں۔

ہال لوگوں کے شور سے گونج اٹھا۔

ہال کی کھڑکیوں سے آتشبازی نظر آرہی تھی۔

رنگ برنگی روشنیاں ہوا میں جا کر دور دور تک بکھر جاتیں اور پھر ماند پڑ جاتیں۔

انہی روشنیوں کے ہالے میں وہ دو ذی روح کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

رنگ برنگی روشنی ان کے چہرے پر پڑتی پھر غائب ہو جاتی۔ پھر پڑتی، پھر غائب ہو جاتی۔

دیکھتے ہی دیکھتے آتش بازی ختم ہوئی اور ہال کی لائٹس آن کر دی گئیں۔

احمر کا فسوں آہستہ آہستہ ماند پڑتا گیا اور وہ حال میں واپس آیا۔

"تم نے مجھے کیسے پہچانا؟" احمر نے پہلے سوال کیا۔

"مجھے لگا تم نے مجھے پکارا۔ میں تمہاری آواز پہنچاتی ہوں اس لیے پہچان لیا کہ تم ہو۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"اور تم نے مجھے کیسے پہچانا؟"

"دل سے۔۔" اس نے ہلکی سی آواز میں جواب دیا اتنی ہلکی کہ علیزے کو سنائی نہ دے۔

"سوری۔۔؟"

"تمہاری آواز سے۔ تم نے میرا نام لیا تھا۔"

"اوہ۔۔"

"Anyways! Welcome to the university"

"اُمید کرتا ہوں یہ سفر اچھا گزرے۔"

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

شاید اسے Thank you بولنا آگیا تھا۔

اسی لمحے پیچھے سے دو لڑکیاں آئیں اور علیزے کو پکارا۔ وہ اریبہ اور فلک تھیں۔ اریبہ نے پرپل رنگ کی ساڑھی پہنی تھی اور فلک نے short frock۔ وہ علیزے کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

جاتے ہوئے علیزے نے مڑ کر اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ احمر مسکرا رہا تھا۔

کچھ تھا جو احمر خاندانہ میں بدل چکا تھا جب سے یہ لڑکی اس کی زندگی میں آئی تھی اس میں بدلاؤ آگیا تھا جو وہ محسوس کر سکتا تھا لیکن کسی دوسرے کے سامنے فی الحال یہ محسوس کروانا دشوار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کے چھ بجے رہے تھے۔ باہر اندھیرا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ہال کے باہر زرد بتیاں جلا دی گئی تھیں۔ ہال کے اندر پہلے سے ہی بہت گہما گہمی تھی۔ بیک گراؤنڈ میں مدھم موسیقی چل رہی تھی۔ ہر کوئی خوش تھا۔

اب باقاعدہ پارٹی کا آغاز کیا گیا۔

سب سی پہلے دو سینئرز آئے اور پارٹی کو ہوسٹ کیا۔

ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔

انھوں نے مزاحیہ انداز میں ہوسٹنگ کی۔

پھر پرنسپل کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔

انھوں نے تھوڑی سی تقریر کی۔

پھر پارٹی کو ایک نئے سرے سے شروع کیا گیا۔

علیزے فرنٹ کی سیٹوں میں سے ایک پر بیٹھی تھی۔

احمر اس کی دوسری طرف سیٹوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ ایسے کے وہ علیزے کو دیکھ سکتا تھا۔

ہوسٹنگ کے بعد ایک لڑکا آیا اور جونئرز کو یونی کی باتیں مزاحیہ انداز میں بتانے لگا۔

پھر ایک پلے (عملی ناک) ہوا۔ اس میں احمر بھی شامل تھا۔

اس نے ایک بوڑھے آدمی کا رول نبھایا تھا۔

اس کی میمکری بہت مزے کی تھی۔

علیزے خوب ہنسی۔

پھر CR, GR کا ایک ایکٹ تھا۔ وہ ہر ڈیپارٹمنٹ کے سی۔ آر۔ اور جی۔ آر۔ کی نکل اتار رہے تھے۔

اور وہی سی۔ آر۔ اور جی۔ آر۔ اسٹیج پر چڑھ کر انھیں ٹماڑ مارنا چاہتے تھے۔

اب باری تھی فلموں کے نام گیس کرنے کی۔

ویڈیو سکرین پر چلائی گئی اور جونئرز نے گیس کرنا تھا۔

احمر نے دیکھا کہ علیزے اس کھیل میں بہت دلچسپی لے رہی تھی۔ علیزے نے دو فلموں کے نام بالکل

سہی بتائے تھے۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا تھا پھر اٹھ کر ہوسٹ کے پاس گیا۔

سینئر نے مل کر کچھ جونئرز کے نام لکھ رکھے تھے جنہیں آگے آنے والے کھیلوں میں شامل کرنا تھا۔ احمر نے ان لوگوں میں علیزے کا نام بھی شامل کر دیا۔ سینئر میں سے وہ پہلے ہی شامل تھا۔ پھر واپس اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر کے لیے سب لوگ تتر بتر ہو گئے۔ علیزے باہر گراؤنڈ میں آگئی۔ وہاں زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ ہر طرف اندھیرا تھا اب۔

"پارٹی تو ختم ہو گئی ہے۔ تمہیں جانا چاہیے اب۔" احمر کی آواز پر وہ مڑی۔

"ابھی کہاں۔ ابھی تو کھیل کھیلنے ہیں پھر کھانا۔"

"کھیل جنھوں نے کھیلنے ہیں ان کے لیے پارٹی ختم نہیں بلکہ شروع ہوئی ہے۔ تم نے تو بیٹھ کے صرف دیکھنا ہے۔ فائدہ۔" احمر نے کندھے آچکا کر کہا۔ علیزے نے تیوری چڑھائی۔

"تمہارا کہنے کا مطلب ہے میں نے کسی کھیل میں حصہ نہیں لیا تو میں چلی جاؤں۔"

"آف کارس۔" اس نے ایک ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔

"میں تو نہیں جاؤں گی۔"

"تو پھر حصہ لو اور کھیلو۔"

"اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں نہیں کھیلوں گی۔"

"ویری گڈ۔" احمر نے تالی بجائی۔

"اسی لیے میں نے تمہارا نام لکھوا لیا تھا۔ ملتے ہیں اپنی باری پر۔"

احمر کہتا ہوا اٹے پاؤں مڑ گیا اور علیزے ہیں ہیں کرتی رہ گئی۔

کھیلوں کا آغاز کیا گیا۔ سینئر ز اور جونیئر ز نے مل کر کھیلتا تھا۔ ایک ٹیم S (سینئرز) اور دوسری ٹیم J (جونیئرز)

مختلف کھیل کھیلے گئے۔ پھر musical chair کی باری آئی۔ اُس میں علیزے بھی شامل تھی۔ آخر میں جب ایک سینئر رہ گیا تو احمر کو بلا لیا گیا۔ ماسک ابھی تک انھوں نے پہن رکھے تھے۔ علیزے کھل کر مستی کر رہی تھی۔

کھیل شروع کیا گیا۔ باری باری کر کے ایک ایک کھیلاڑی نکلنے لگے۔ آخر پر دو لوگ بچ گئے۔ احمر اور علیزے۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر گول گول گھوم رہے تھے۔ علیزے جتنی نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ احمر فخریہ نظروں سے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چیلنج کیا۔

"سو مسٹر اے کے آج پھر سے ہم دونوں مقابلے میں ہیں لیکن اس دفعہ ایک ٹیم میں نہیں سوہارنے کے لیے تیار رہنا۔" ایک کرسی کے دائیں بائیں دونوں گھوم رہے تھے۔

"احمر خان زادہ کوہارنے کی عادت نہیں ہے۔ تب بھی میں نے جتوایا تھا اب میں خود جیتوں گا۔"

فخریہ انداز میں آبرو اچکا کر جواب دیا۔

"دیکھتے ہیں۔ اگر جونیرز سے ہار گئے تو بڑی بدنامی ہوگی۔ پیچ پیچ"

"ہونہہ اگر سینئرز سے ہار گئی تو بڑی بدنامی ہوگئی۔ پیچ پیچ"

اسی وقت میوزک بند ہوا اور اور دیکھتے رہی دیکھتے علیزے بیٹھ گئی اور بچارا اے کے ہاتھ ملتا رہ گیا۔

ہال میں علیزے علیزے کی صدائیں گونج رہی تھیں پھر HURRYYY کی مشترکہ آوازوں میں علیزے کی آواز بھی تھی۔ احمر کے قریب سے گزرتے ہوئے علیزے نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"پیچ پیچ جونیرز سے ہار کے کیسا لگ رہا ہے؟"

احمر نے کالر کو دائیں بائیں ہلایا جیسے اس کی بات کا اثر نہ لیا ہو۔

"کیا ہوا دم گھٹ رہا ہے؟ اے کے ایک جونیر سے ہار گیا۔ اف اے کے۔۔"

علیزے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی اور ہنستی چلی گئی۔ احمر کی نظروں نے اُسے دور جاتے ہوئے دیکھا۔

وہ ہار بھی گیا تو کیا ہوا۔ وہ ہار کر بھی جیتا تھا۔

کتنے عرصے بعد اس نے وہی پرانی چشموں والی، فرتیخ چھوٹی، لالی پاپ کھاتی علیزے کو دیکھا تھا جو ہر سپورٹس اور ہر گیم میں حصہ لیتی تھی اور جیتی تھی اور اتنا ہی خوش ہوتی تھی، جتنی اب تھی۔ اور وہ بھی اسے جانبوجھ کے چیلنج کر رہا تھا تاکہ وہ بار بار کھیل میں حصہ لے اور جیتے۔

"رکو۔" اس نے پیچھے سے علیزے کو پکارا جو چلتی ہوئی اپنی دوستوں کی طرف جارہی تھی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے قریب آیا۔ اور سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔

"ایک کھیل جیت جانے سے تم بازی گر نہیں بن جاؤ گی، باقیوں میں بھی حصہ لو اور جیتو پھر میں مانوں گا۔"

علیزے نے اس کے چلینجنگ انداز پر بازو لپیٹ کر اُسے گھورا۔

"تم پھر سے چیلنج دے رہے ہو۔ کیا بھول گئے مجھے چیلنجز جیتنے کا کتنا شوق ہے۔"

"میں دے چکا ہوں۔ اب پورا کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ تم چاہو تو پیچھے ہٹ سکتی ہو۔" علیزے ایک قدم قریب آئی۔ شور کے باعث بولنے اور سننے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"میں اپنے سکول کے ہر سپورٹس کی ٹوپر رہی ہوں۔ یہ عام سے کھیل میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔"

"میں تو تب مانوں جب تم کھیل کر دکھاؤ۔" دونوں آس پاس سے بے خبر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

علیزے کچھ دیر اُسے گھورتی رہی۔

"ٹھیک ہے میں کھیلوں گی اور جیتوں گی بھی پر میری ایک شرط ہے۔" آخر کار وہ کامیاب ہو گیا تھا۔

"دو کہو۔" اس نے مارے خوشی کے یوں کہا جیسے آج وہ اس کی ہر شرط مان لے گا۔

"ٹھیک ہے دو شرائط ہیں۔" علیزے نے بھی کوئی عار محسوس نہ کی۔

"پہلی شرط۔" اس نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا۔

"میں اکیلی نہیں کھیلوں گی تم بھی کھیلو گے۔ تم بھی میدان میں اترو گے۔"

احمر نے سوچا یہ اتنا آسان ہے یہ تو میں کر سکتا ہوں۔

"میری دوسری شرط۔" دوسری انگلی مٹھی سے باہر نکالی۔

"اگر میں نے سارے کھیل جیتے اور تم ہار گئے تو میں تمہیں سزا دوں گی جو تمہیں پوری کرنی ہوگی۔"

اب احمر نے سوچا کاش وہ "دو کہو" نہ ہی کہتا۔

"منظور ہے۔"

دونوں نے ماسک اتر رکھے تھے۔ احمر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور علیزے نے سر پر ٹکا رکھا تھا۔

پھر احمر نے ماسک پہن لیا اور دو قدم پیچھے ہوا۔ جتنی نظروں سے اسے دیکھا۔

علیزے نے بھی ماسک آنکھوں پر لگا لیا اور اسی انداز میں اسے دیکھا۔

پھر دونوں ایک ساتھ مخالف سمتوں میں مڑ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین کھیل علیزے جیتی اور دو کھیل احمر، باقی کوئی اور جیتا تھا۔ اب اگلا کھیل سونگنز کے نام گیس کرنے کا تھا۔ اس میں ٹیم بنائی گئی ایک جونیئر اور ایک سینئر ساتھ ساتھ۔

احمر اور علیزے اب ایک ٹیم تھے۔

"تو مسٹر ایڈیٹ کیا ارادہ ہے۔ مجھے اس دفعہ بھی جتواؤ گے یا نہیں۔" ایک ٹیم دائیں طرف کرسیوں پر بیٹھ گئی اور دوسری ٹیم بائیں طرف چار قدم کے فاصلے پر کرسیوں پر بیٹھ گئی۔ دونوں کے درمیان محض گزرنے کی فاصلہ تھا۔

اس نے اسے مسٹر ایڈیٹ بلایا تھا۔

کتنے عرصے بعد۔

"پہلے ہر وایا تھا یا جتوایا تھا۔"

"جتوایا تھا لیکن اس بار بھی مجھے جیتنا ہے۔"

"کھیل تو کھیل لو پہلے۔"

ایک پارٹز وہ بٹھایا تھا جسے musical instrument بجانا آتا تھا۔ اس نے ایک ساز بجانا تھا اور دوسرے نے وہ گیس کرنا تھا اور پھر وہی گانا گانا تھا۔

کھیل شروع کیا گیا۔

پہلے ٹیم کی باری آئی۔ اس میں لڑکی نے گیس کرنا تھا اس سے نہ ہو سکا سو وہ ہار گئے۔

دوسری ٹیم میں لڑکے نے گیس کرنا تھا۔ اس نے گیس کر لیا لیکن اس کی آواز اتنی بے سری تھی کہ وہ ویسے ہی ہار گیا۔

تیسری ٹیم بھی گیس نہ کر سکی یہ اس لیے تھا کہ سوئنگز اولڈ کو لیکشن کے تھے۔ اور آج کی جزیشن کہاں پرانے گانے سنتی ہے۔

اسی لیے انہیں گیس کرنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

اب علیزے اور احمر کی باری تھی۔

ایک لڑکے نے اس کے کان میں نام بتایا۔ اور وہ مسکرایا علیزے نے آنکھیں چھوٹی کر کہ اُسے دیکھا جیسے جاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ یہ کیوں اتنا مسکرا رہا ہے۔ لیکن کچھ سمجھ نہ پائی۔

احمر نے وائلن سیٹ کیا اور بجانے کے لیے تیار ہو گیا۔

(نہ اسے یہ گانا آتا ہو گا۔ نہ یہ گیس کر پائے گی اس طرح میں دوسری شرط سے آزاد ہو جاؤں گا۔)

احمر نے ساز بجانا شروع کیا۔ علیزے نے اپنی آنکھیں بند ہوتی محسوس کیں۔ وہ ساز بجا رہا تھا اور سارے میں سناٹا چھا گیا۔

وقت ایک دفعہ پھر پیچھے بھور بن میں چلا گیا تھا جب وہ سوئمنگ پول کے قریب بیٹھا وائلن بجا رہا تھا اور علیزے اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک آگئی تھی۔

تب بھی وہ کوئی پرانا گانا ہی گا رہا تھا اور علیزے نے گیس کر لیا تھا کیوں کہ وہ اس کے مطلب کا گانا تھا۔

لیکن کیا اس بار وہ گیس کر پائے گی ؟

احمر نے بھی بجاتے بجاتے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر جب اس نے سر مکمل کیا تو اس نے آنکھیں کھل لیں۔

آنکھوں کے سامنے وہ لڑکی بیٹھی تھی۔

نمک کا مجسمہ بنے۔

بت بنے۔

اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔ احمر کو اس کا اس طرح اپنے سامنے بیٹھے رہنا اچھا لگا تھا۔ علیزے نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ وہ کہیں اور گھوگئی تھی۔

یہ دھن، وہ اس دھن کو اور اس ساز کو بہت اچھے سے پہچانتی تھی۔ یہ اس کا اور اس کی بچپن کی دوست کا فیورٹ تھا۔ یہ اس کا ماضی تھا جو اس کے حال میں آگیا تھا

اس کا ذہن ماضی میں چلا گیا تھا۔ آس پاس کا شور شرابا سب آگے نکل گیا۔ اور وہ پیچھے۔

وہ اپنی کرسی سمیت وقت میں پیچھے کی طرف دوڑ رہی ہے۔ کتنا ہی پیچھے دوڑنے کے بعد اچانک کرسی رک گئی۔

علیزے نے آنکھیں کھولیں۔ آس پاس دیکھا ہر طرف ہر چیز بلیک اینڈ وائٹ تھی۔

ایسا لگ رہا تھا وہ کسی ٹی وی سکرین میں آگئی ہے۔

"علیزے تم اپنی دوست سے کہو کہ وہ گائے۔" یہ منظر ایک کلاس کا تھا۔ سب لڑکیاں بیٹھی تھیں، علیزے اپنی دوست کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سب لڑکیاں اسے فورس کر رہی تھیں اور علیزے بھی۔ بالآخر اس نے گانا شروع کیا۔

حال کی علیزے نے دیکھا وہ وہی گا رہی تھی جو احمر نے بنایا تھا۔

منظر بدلا اور وہ ایک بڑے سے ہال میں پہنچ گئی۔ علیزے پر کھڑی گا رہی تھی۔ گانا ختم ہوا تو سب نے تالیوں کے ساتھ اسے سراہا۔

پھر علیزے ٹرائی لیتی دکھائی دی۔ اس کی دوست بھی شائقین میں سے ایک تھی۔ علیزے بھاگتی ہوئی اس تک آتی

"دیکھو میں جیت گئی۔" اس کی دوست نے اس کے بڑھے ہاتھ کو جھٹکا۔

"علیزے تم کتنی selfish ہو۔ میں نے آج اس competition میں حصہ لینا تھا لیکن میں نہیں آسکی تو تم نے میری جگہ لے لی اور خود جیت گئی۔ تم سے یہ امید نہیں تھی۔" علیزے گنگ رہ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے تم بہت mean ہو۔"

اور حال کی علیزے کو یاد تھا کہ جس دن سب کی selection ہو رہی تھی اس دن وہ نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے علیزے کو سیلیکٹ کر لیا گیا تھا۔

قصور اس کا نہیں حالات کا تھا لیکن بری وہ بن گئی۔

پھر جب اس کی دوست اسے چھوڑ کر گئی تو ساتھ عزیزے کے گانے کی قوت صلاحیت بھی لے گئی۔

اس دن کے بعد سے عزیزے کو گانوں سے چڑھ ہو گئی تھی۔

اسے گانے کو فت دلاتے تھے۔

وہ میوزک ہے دور بھاگتی تھی۔

میوزک اسے ماضی کی یاد دلاتے تھے۔

بس کبھی کبھی دل کرتا تو پرانی دھن صرف گنگنا لیتی تھی۔

لیکن گا نہیں پاتی تھی۔

پتہ نہیں کیوں۔

کیا لوگوں کا چلا جانا انسان کو اس قدر ڈیج کر دیتا ہے ؟

اسی کرسی سمیت عزیزے اپنے حال میں واپس بھاگتی ہوئی پہنچی۔

دس...

نو...

آٹھ...

علیزے نے آنکھیں کھولیں کاؤنٹ ڈاؤن چل رہا تھا۔ اسے گیس کرنا تھا۔ گیس وہ کر بھی چکی تھی لیکن اس وقت ہمت نہیں تھی۔

علیزے نے مدد طلب نگاہوں سے احمر کو دیکھا۔ اور دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔
(مجھ سے نہیں ہوگا)

اُس کی گرے آنکھوں میں ایک تاثر تھا۔ ڈر کا تاثر۔

پہلے احمر کو لگا وہ اس ایسے ہی گانے سے گھبرا رہی ہے لیکن اس کی آنکھیں شاید صرف یہ شخص ہی پڑھ سکتا تھا۔

وہ ڈر تھا۔

ماضی کا ڈر۔

وہ جان گیا۔

اتنے عرصے اس کے ساتھ رہتے ہوئے وہ یہ تو جان گیا تھا کہ اس کا ماضی کچھ اچھا نہیں رہا تھا۔ اور یہ بھی اسی کا نتیجہ تھا۔ اب اسے کچھ کرنا تھا۔

احمر نے اسے تسلی بخش نظروں سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ آنکھوں سے اسے کچھ کہا۔

(تم کر لوگی خود پر بھروسہ رکھو آنکھیں بند کرو اور گاؤ)

ایک گہری سانس بھری اور پھر خارج کی۔

وہ علیزے کو سمجھا رہا تھا۔

ایک گہری سانس لو اور پھر شروع ہو جاؤ۔

you can do it Alizey

.Only you can do it

چار....

تین....

Come on Alizey سب اسے آوازیں دے رہے تھے۔ چیئر آپ کر رہے تھے۔

"تم کر سکتی ہو۔" اب کی بار اس نے ہلکے سے لب ہلائے۔ اور وائٹن تھام لیا۔

وہ بجانے کے لیے تیار تھا۔

سب علیزے کو ہمت کرنی تھی۔

علیزے نے ایک گہری سانس لی اور آنکھیں بند کیں۔

اسے صرف ایک چیز کی ضرورت تھی۔

ہمت۔

وہ ہمت جو اسے اس انجان شخص نے دے دی تھی۔

کبھی کبھی جب آپ پہلا قدم نہیں اٹھا پا رہے ہوتے تو ایسے میں آپ کو ایک تھپکی کی ضرورت ہوتی ہے۔

پیار کی تھپکی۔

ہمت کی تھپکی۔

اور جب انسان کو وہ مل جائے تو کوئی پتھر یا کوئی ماضی اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔
اب وہ تیار تھی۔

دو....

ایک....

جب سے تو نے مجھے دیوانا بنا رکھا ہے....

علیزے کے حلق سے آواز نکلی۔

دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس نے اپنی آواز محسوس کرنے کی کوشش کی۔

کیا وہ واقعی گا رہی تھی؟

سنگ ہر شخص نے....

ہاں وہ واقعی گا رہی تھی۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

سب خاموش ہو گئے۔

سب اسے سن رہے تھے۔

کسی نے اس کے قریب مانک کر دیا جس سے آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی۔

اس کی آواز بلاشبہ خوبصورت تھی۔

سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے...

آخر کار اس کے گانے کی صلاحیت واپس آ گئی تھی۔

اس نے آج پہلی بار اپنے ماضی کے ایک ٹروما کو مات دے دی تھی۔

جب سے تو نے مجھے دیوانا بنا رکھا ہے....

احمر نے بھی وائلن بجانا شروع کر دیا۔

علیزے گانے لگی،

وہ جب میں وہ اچھی تھی۔

اور وہ وائلن بجانے لگا۔

وہ جب میں وہ اچھا تھا۔

ہال کی لائٹس مدھم کر دی گئیں۔

لوگوں نے اپنے اپنے فونز کی ٹارچ اون کر لیں۔

روشنی کا مرکز وہی دونوں تھے۔

ہال کی لائٹس سرے سے ہی آف کر دی گئیں۔

باہر چاند کی روشنی۔ اندر مصنوعی روشنیوں کے درمیان بیٹھے دو ستارے۔

سب مکمل تھا۔

آج کی محفل کی رونق وہ دونوں بن گئے تھے۔

علیزے نے گاتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ اب کی بار ان میں کچھ اور تھا۔

خوشی کے آنسو۔ زندگی جینے کی چمک۔

احمر وائلن بجاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خوشی کی رمل اور خوشی کے آنسو اس نے دیکھ لیے تھے۔

اس کے علاوہ کوئی دیکھ بھی کیسے سکتا تھا۔

یہ رمل دینے والا بھی تو وہی تھا۔

اس نے جس ہاتھ سے وائلن تھاما تھا اسی کی ایک انگلی ہوا میں بلند کی ، خود تھوڑا سا جھکا۔ اور اسے

آنسو صاف کرنے کا اشارہ دیا۔

علیزے نے اشارہ سمجھ کر نامحسوس انداز میں انگلی کے کونے سے آنسو صاف کیا۔

اس کے دل پر بھی کڑی عشق میں گزری ہو گی

وہ اپنے دائیں گھٹنے ہر بار بار ہاتھ مار رہی تھی ساتھ پاؤں بھی ہلا رہی تھی۔ وہ جیسے خود ہی لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"نام جس نے بھی محبت کا سزا رکھا ہے"

موسیقی کی آواز، دھن کا بجنا، لوگوں کا ان کے ساتھ مل کر گنگنا۔۔۔
سب مکمل تھا۔

لوگ سرشاری سے دائیں بائیں جھول رہے تھے۔

"جب سے تو نے مجھے دیوانا بنا رکھا ہے"

"سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے"

"جب سے تو نے مجھے دیوانا بنا رکھا ہے"

آخر میں سب نے ان کے ساتھ مل کر گایا تھا اور ایک ساتھ رکے۔

پھر ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ جو بیٹھے تھے وہ کھڑے ہو گئے۔

لڑکوں نے احمر کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور لڑکیاں علیزے کے ارد گرد اکٹھی ہونے لگیں۔

ایک استاد نے دوسرے استاد کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"یہ اب تب کی بیسٹ ٹیم رہی ہے۔"

#bestteamgoals

دوسرے نے سر ہلا کر تائید کی۔

دونوں ہمیشہ کی طرح اس بار بھی کھیل جیت چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"گلاب حامن"

کچھ دیر بعد بے کھل گیا۔ سب تتر بتر ہو گئے۔

علیزے بھی اپنی دوستوں کے ہمراہ باہر کی طرف جا رہی تھی۔

"آئی کانٹ بی لیو دس علیزے۔۔ تم نے گایا۔" علیزے ہنوز مسکرا رہی تھی۔

"تم دونوں نے اتنی synchrony سے گایا۔ ایسا لگا ہی نہیں کہ پہلی دفعہ گارہے تھے۔ مطلب اتنی پرفیکشن۔"

"ایک منٹ ایک منٹ... " فلک گھوم کر سامنے آئی۔

"اس دن باسکٹ بال میچ والے دن کہا تھا کہ تم جانتی ہو اسے۔۔ کیا نام لیا تھا۔ تم نے اس کا؟" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"مسٹر ایڈیٹ۔" اب کی بار اریبہ بھی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"تو وہ ہے نامسٹر ایڈیٹ۔" علیزے نے معصومیت سے پلکیں جھپکا کر ان سے کہا۔ پھر ان کے آڑے ہوئے چہرے دیکھ کر ہنس پڑی۔

"یہ کون سی کھچڑی پک رہی ہے۔ ہمیں بتانا پسند کرو گی؟"

"ارے کچھ نہیں یار بس میں پہلے اس سے مل چکی ہوں۔" علیزے نے بظاہر سرسری سے انداز میں کہا۔

"واٹ.....!!" وہ دونوں ایک ساتھ چلائیں۔ علیزے نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ آس پاس گزرتے لوگوں نے انھیں مڑ کر دیکھا۔

"آہستہ بولو۔ میں کانوں کی کچی نہیں ہوں۔"

"تم ہمیں کچھ بتاؤ گی کہ وہ کون ہے، کیسے ملا اور تم اسے کیسی جانتی ہو؟"

"بتایا تو ہے مسٹر ایڈیٹ ہے۔" اس نے ایک دفعہ پھر اسی عام سے انداز میں کہا۔

"شاید کوئی میرے بارے میں بات کر رہا ہے۔" پتہ نہیں وہ کہاں سے آٹپکا تھا۔ علیزے کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ بلند آواز میں بولا۔

"اسی لیے اسے ایڈیٹ بلاتی ہوں۔" علیزے نے بھی اونچی آواز میں جواب دیا۔

"تھینک یو۔" دور سے اس کی آواز آئی۔ علیزے ہنس پڑی۔

اپنے سامنے کھڑی دونوں دوستوں کو دیکھا تو ہنسی پر قابو پایا۔

"تم دونوں کیا مالا کے جن بھوتوں کی طرح مجھے گھور رہی ہو؟"

"We need answer Alizey"

دونوں نے ایک ساتھ چلا کر کہا۔

"اچھا اچھا۔ بتاتی ہوں سب۔ پہلے کچھ کھالیں۔ ورنہ ہمارے جانے تک سب ختم ہو جائے گا۔ پھر تم دونوں کو مجھے ڈنر کروانا پڑے گا۔" اس نے گہری سانس بھری اور آگے بڑھ گئی۔

(اللہ ایسی دوستوں سے ہر کسی کو بچائے۔ آمین)

کھانا لے کر وہ تینوں کھاس پر بیٹھ گئیں۔ یہ تو ان کی فیورٹ سپوٹ کی۔

آس پاس لگی ذرد بتیاں چمک رہی تھیں۔ سارے میں روشنی بکھری ہوئی تھی۔

علیزے تو کم کم بائٹ لیتی جبکہ فلک اور اریبہ نے ساری داستان کھاتے ہوئے سنی تھی۔

"تمہیں تو تمہارے ناولز والا پرنس چارمنگ مل گیا۔" فلک جو پورے انہماک سے پوری کہانی سن رہی

تھی، اس سارے میں اب بولی تھی۔ علیزے نے افسوس سے دائیں بائیں سر ہلایا۔

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ کم کھایا کرو تا کہ تمہارا یہ خرافاتی دماغ کچھ کام بھی کر سکے۔" فلک نے اثر نہ

لیتے ہوئے اپنا کھانا جاری رکھا۔

"یہ تو بالکل ویسا ہو گیا نا جیسا فلموں میں ہوتا ہے۔"

علیزے نے گہرا سانس خارج کیا۔

"اب تم بھی بتا دو ایسا کیا ہوتا ہے فلموں میں؟"

"زوبی ڈوبی زوبی ڈوبی....." ساتھ اس نے ہاتھ ہوا میں لہرائے۔ اس کے ایکشن اور چہرے کے بدلتے زاویے دیکھ کر علیزے اور فلک ہنس پڑیں۔

اسی وقت علیزے کی نکتھوں سے ایک خوشبو گزری۔ اس نے آنکھیں بند کر کے محسوس کی۔

"گلاب جامن" آنکھیں کھولیں اور مڑ کر دیکھا۔ ایک لڑکا گلاب جامن کی ٹرے لیے جا رہا تھا۔
"میں ابھی آئی۔" وہ بھاگتی ہوئی اس لڑکے کے پیچھے گئی۔

"گلاب جامن والے رکو۔۔۔" دور سے صدا دی اور وہ گلاب جامن والا رک گیا۔ لیکن مڑا نہیں۔
"اُف کتنا تیز بھاگتے ہو تم۔ تھوڑا آہستہ نہیں چل..."

اسی وقت وہ گلاب جامن والا لڑکا مڑا۔ اور اس کا چہرہ دیکھ کر علیزے کی بولتی بند ہو گئی۔ اس نے فوراً منہ پر ہاتھ رکھ لیے۔

"تم؟"

"جی۔ میں ہی ہوں گلاب جامن والا۔"

(شکر ہے بھائی نہیں بول دیا)

"سوری میں نے دیکھا نہیں۔"

"جی نظریں جو کسی اور طرف تھیں۔" آنکھوں سے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تو تم نے کبھی سنا نہیں ہے کہ کسی لڑکی کے سامنے اس کی فیورٹ کھانے کی چیز ہو اور وہ کسی اور کو دیکھے؟" وہ بھی علیزے تھی۔ اپنے نام کی ایک تھی

احمر اس کی بات پر مسکرایا۔

"تو بتائیں مادام یہ گلاب جامن والا آپ کی خدمت میں کیا پیش کر سکتا ہے؟" ساتھ ہی ٹرے اس کے آگے کی اور ایک ہاتھ کمر پر باندھ لیا۔

گلاب جامن کو دیکھ کر علیزے کا دل للچایا۔ یہ اس کی کمزوری تھی۔ لیکن وہ رہی ڈائٹ کا نشئس لڑکی کیسے اتنی زیادہ کیلوریز کھا لیتی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا ابھی اس نے پوری پلیٹ کھانا کھایا تھا۔ اب یہ کھانے کا رسک وہ لے سکتی تھی کیا؟ نہیں نہیں۔ بالکل نہیں۔

"کک.... کچھ نہیں۔ کچھ نہیں چاہیے۔ میں تو بس دیکھ رہی تھی کہ یہ گلاب جامن ہی ہیں نا۔"

اسے دیکھ کر احمر زیر لب مسکرایا (آہ یہ ڈائٹ کا نشئس لڑکیاں اتنی sensitive کیوں ہوتی ہیں۔) موقع بھی تھا اور غنیمت بھی۔ اسے شرارت سو جھی۔

"اچھا؟ یہ لو قریب سے دیکھ لو۔" ٹرے مزید اس کے آگے کی۔

"بلکہ ایک کام کرو اسے پکڑو۔۔ کب سے ٹرے لے کر گھوم رہا ہوں۔ ہاتھ تھک گیا ہے۔"

اس نے زبردستی ٹرے اس کے ہاتھوں میں تھما دی۔ اور ایک گلاب جامن نکال کر منہ میں ڈال لیا۔

"آہ ... لذیذ ... ذائقہ دار۔" اسے یوں کھاتے دیکھ کر علیزے کا دل اور للچایا۔ لیکن وہ نہیں کھائے گی۔
بس طے رہا۔

احمر نے ایک اور اٹھایا اور منہ میں ڈال لیا۔

"آہ مکمل ذائقہ۔۔ اس سے بہترین چیز میں نے آج تک نہیں کھائی"....

"اچھا بس کرو۔۔ پتہ چل گیا ہے کہ اتنا میٹھا ہے۔ اور تمہیں اپنی صحت کا بالکل خیال نہیں ہے؟ اتنی
ہیوی کیلوریز کھا رہے ہو؟"

اس کے ردِ عمل پر احمر ہنس پڑا۔ اور اس سے ٹرے پکڑ لی۔

"اپنا چہرہ دیکھو لڑکی۔"

"کھی کھی کھی۔ ہنسنا بند کرو۔"

"اتنا دل کر رہا ہے تو کھا کو۔ کیوں خود کے ساتھ زبردستی کر رہی ہو؟" وہ کچھ نہ بولی۔ بس چہرہ موڑ لیا۔

"کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس سے منہ نہیں موڑتے۔ اگر دل کر رہا ہے تو کھاؤ کیونکہ اللہ نے یہ
کھانے کے لیے ہی دیا ہے۔"

"لیکن میں نے کھانا کھا لیا ہے۔"

"وہ کھانا تھا جو تم نے کھایا۔ یہ انعام ہے، ایک لگثری ہے۔ جیسے ہر امتحان کے بعد ایک انعام ملتا ہے ویسے ہی کھانے کے بعد بھی ایک انعام ملتا ہے۔ یہ وہی انعام ہے اور انعام سے انکار نہیں کیا جاتا۔"

"کیا ہر چیز کے بعد انعام ملتا ہے۔"

زرد بتیاں ابھی بھی روشن تھیں۔ آس پاس لوگ گزر رہے تھے لیکن وہ دونوں سب سے بے نیاز تھے۔

"ہر آزمائش کے بعد انعام ملتا ہے۔ ہر امتحان کے بعد انعام ملتا ہے۔ ہر مشکل کے بعد انعام ملتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کسی کو انعام سے منہ موڑتے دیکھا ہے؟" علیزے نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر تم کیوں موڑ رہی ہو؟" علیزے نے چہرہ جھکا لیا۔

"دیکھو میں نے بھی تو کھایا ہے مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔ میں بھی جم جاتا ہوں لیکن کھا رہا ہوں۔"

"تم کیسے خود کو ان چیزوں سے روکتے ہو پھر؟"

"اپنی appetite پر قابو رکھ کر۔ یہ انسان کی appetite پر ڈسپینڈ کرتا ہے کہ وہ خود کو کیسے ان چیزوں سے روکتا ہے۔ اور ڈائٹ ہمیں maintain نہیں رکھتی۔ ہمیں اپنی ڈائٹ maintain رکھنی پڑتی ہے۔"

"تم گھما کیوں رہے ہو۔ دونوں ایک ہی چیز تو ہیں۔" احمر نے نفی میں سر ہلایا۔

"کم عقلمند لڑکی۔ دونوں ایک چیزیں نہیں ہیں۔" علیزے نے برا سا منہ بنایا۔

"ایڈیٹ۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"ہاں؟"

"تم ہی بتا دو کہ دونوں ایک چیزیں کیسے نہیں ہیں۔"

"ایک ڈاکٹر صرف آپ کو میڈیسن prescribe کر سکتا ہے، لینی آپ نے خود ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک ڈائٹیشن صرف آپ کو ڈائریکٹ کر سکتا ہے، آگے آپ اس کے دیے ڈائٹ پلین کو فالو کرتے ہو یا نہیں یہ آپ پر ہے۔ جب انسان اپنے لیے کانشینس ہو گا تو اپنی ڈائٹ کا بھی خیال رکھے گا اور اپنی صحت کا بھی۔ پھر اس کے سامنے کتنے بھی گلاب جامن کیوں نہ آجائیں، وہ چاہے دو کھائے یا چار یا دس اسے فکر نہیں ہو گی۔ کیونکہ اسے اپنا دھیان رکھنا آتا ہو گا۔ اور اگر اسے اپنی hunger پر کنٹرول ہے تو وہ کبھی کبھی بد احتیاطی کر سکتا ہے۔ جیسے میں کر رہا ہوں۔" ساتھ ہی اس نے ایک اور گلاب جامن منہ میں ڈالا۔

"چلو اب کھاؤ۔"

"پکا کھالوں؟"

"مجھ پر یقین ہے؟" اس کا سر خود بخود ہاں میں ہل گیا۔ وہ خود بخود ہاں میں ہل جایا کرتا تھا۔ اسے سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

"پھر اٹھاؤ اور منہ میں ڈالو۔" بس اب ڈائٹ گئی بھاڑ میں۔ گلاب جامن کے آگے کچھ بھی نہیں۔ اس نے ایک گلاب جامن اٹھایا۔ منہ میں پانی پھر آیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے کھانے لگی جب اس نے روک دیا۔

"ایک منٹ۔"

علیزے خوب بد مزہ ہوئی۔

"اب کیا ہوا۔"

"ایسے کھاؤ گی تو کبھی ڈائٹ maintain نہیں رکھ سکو گی۔"

"کیوں؟؟؟؟؟" وہ چلائی۔

"شیطان تمہارا دوست ہے جو اسے بھی کھلا رہی ہو؟"

"مطلب؟" اس نے عجیب سا منہ بنایا۔

"لڑکی پہلے بسم اللہ تو پڑھ لو ورنہ آدھا خود کھاؤ گی اور آدھا شیطان کو کھلاؤ گی۔ پھر کہو گی دل نہیں بھرا۔"

"اور۔۔۔ سوری۔۔۔" پھر اس نے بسم اللہ پڑھی اور کھانے لگی لیکن رک گئی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"کیا؟" احمر نے کندھے اچکائے۔

"تم بھی کھاؤ۔ میں اکیلے نہیں کھاؤں گی۔ خود ڈوبوں گی تو تمہیں بھی ساتھ لے ڈوبوں گی۔" اس کی بات پر احمر ہنس پڑا اور ایک اٹھا لیا۔

اب کی بار علیزے نے منہ میں ڈالا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"من و سلویٰ" آہ کتنا ذائقہ دار تھا۔

"ویسے پوائنٹ ٹو بی نوٹڈ بات ہے۔ شیطان کے پیٹ میں درد نہیں ہوتا دوسروں کا چرا کے کھا کر۔"

"نہیں وہ بھی کم عقلمندوں کا چرا کر کھاتا ہے اسی لیے اس کو درد نہیں ہوتا۔"

"کم عقلمند کسے کہہ رہے ہو؟" علیزے نے تیوری چڑھائی۔ ساتھ ایک اور گلاب جامن پکڑ لیا۔ اور احمر کو بھی پکڑنے کا اشارہ کیا۔ اس نے بھی پکڑ لیا۔

(کل ہوئے چار۔ اب بس وہ اور کھانے کو نہ کہہ دے۔ پہلے ہی اوور ایٹنگ کر لی ہے اس سے زیادہ افورڈ نہیں کر سکتا)

"ایک کم عقلمند کے علاوہ کسے کہہ سکتا ہوں؟"

"ایڈیٹ" پھر سے بڑبڑائی۔

علیزے نے ایک اور پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن احمر نے ٹرے پیچھے کر لی۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے۔ ابھی تو کہہ رہے تھے اللہ کی نعمت ہے اس سی منہ نہیں موڑتے اب خود میرا رزق مجھ سے چھین رہے ہو۔"

(اللہ۔۔ کیا لڑکی ہے یہ۔)

"میری بلی مجھ ہی کو میاؤں۔"

"یار... دو نابس ایک کھانا ہے۔"

"نو۔ نیور۔ دو کھا لیے ہیں کافی ہیں۔"

"لیکن تم نے تو چار کھائے ہیں۔"

"میری بات اور ہے۔"

"نہیں میری بھی وہی بات ہے۔ ایک لینے دو۔"

"کہا نا بالکل بھی نہیں۔"

"تم کتنے بد تمیز ہو۔ بس ایک ہی تو مانگ رہی ہوں۔"

"تم کتنی ضدی ہو جب کہہ رہا ہوں میں تو مان کیوں نہیں جاتی۔ دوسروں کے لیے بھی چھوڑ دو۔"

دونوں کی تو تو میں میں بڑھتی گئی۔ پھر اچانک کچھ پھٹنے کی آواز آئی تو دونوں چپ ہوئے۔ دونوں نے

چہرہ گھما کر اس طرف دیکھا جہاں سے آواز آئی تھی۔ ایک سوئیر نے ہاتھ میں پکڑا غبارہ پھاڑ دیا تھا۔

یہ جیسے اشارہ تھا کہ وہ بہت دیر سے اب کی چک چک سن رہا تھا اب بس ہو گئی تھی۔ پھر کچھ بھی

کہے بغیر وہ چلا گیا۔

کچھ سیکنڈ ز بعد احمر نے علیزے کو دیکھا اور علیزے نے احمر کو۔۔۔ پھر وہ دونوں ہنس پڑے زرد بتیوں کی روشنی میں اضافہ ہو گیا۔

پھر احمر نے اپنے قدم موڑ لیے۔ ایک ابھام سا تھا کہ وہ اسے پکارے گی۔ شاید۔

ایک قدم...

دو قدم...

تین قدم..

"احمر"...

اور قدم وہیں رک گئے۔

اس نے کیا پکارا؟

کیا اس نے احمر کا نام لیا؟

کیا واقعی؟

آج اس نے پہلی بات اسے اس کے نام سے بلایا تھا۔

درمیان میں کیا آگیا تھا؟

ہجر کے دس سال!

احمر خان زادہ مسکرایا۔

وہ مسکراہٹ عام مسکراہٹ نہیں تھی۔

ایک گہری مسکراہٹ تھی۔

اس کی امی ٹھیک کہتی تھیں۔ وہ ہنستا تو پہلے بھی تھا، مسکراتا بھی تھا لیکن یہ مسکراہٹ اور اندر کی خوشی ... یہ پہلے نہیں تھی۔

کیا تھا جو اس میں بدل گیا تھا؟

آہستہ سے مڑا۔

"تھینک یو۔" بس دو الفاظ۔

احمر نے لا تعلقی سے کندھے آچکا دیے۔ (یعنی کس لیے)

"گیم میں مدد کرنے کے لیے۔" وہ اسے کیسے بتاتی کہ اتنے سال پرانے خول کو اس نے آج اتار دیا تھا۔ وہ اس کی مرہونِ منت تھی۔

وہ express کرنے میں اچھی نہیں رہی تھی اسی لیے تھینک یو بول کر بات ختم کر دیتی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ تمہارے ماضی میں ایسا کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے تمہارے آج پر اثر پڑ رہا ہے۔ میں بس اتنا کہتا چاہوں گا کہ اپنے ماضی کو اپنے آج پر حاوی مت ہونے دو۔ ورنہ نہ تو کل کی رہو گی نہ آج کی۔" علیزے نے بس سر ہلا دیا۔

"اگر تم چاہو تو مجھے..."

"اس طرف نہیں جاتے احمر۔ اندھیروں میں جا کے روشنی کے چراغ نہیں جلائے جاسکتے۔ اندھیرا، اندھیرا ہی رہے گا۔"

وہ اپنے ماضی سے بھاگ رہی ہے۔ ٹھیک ہے وہ اسے نہیں کھریدے گا۔
"ویسے تمہیں یاد ہے نا تم ہار گئے تھے۔"

"Unluckily"

اس نے سر جھکایا۔

"کل سزا کے لیے تیار رہنا۔"

احمر نے سر کو خم دیا۔ علیزے مسکرائی اور مڑ گئی۔

اور وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑا مسکراتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ادھوری رات کی باتیں"

رات کی سیاہی کو صبح کی روشنی نے آگھیرا۔ پرندے اپنے گھونسلوں سے باہر نکل آئے۔ روزگار لوگ اپنے کاموں کو چل دیے اور بے روزگار لوگ روز کی طرح صبح کی چائے کے ساتھ اخبارات میں نوکریاں تلاش کرتے رہے۔

سکندر ویلا میں اس وقت ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو سارے میں رچی بسی تھی۔ علیزے اور معظم ہمیشہ کی طرح ٹاک شو (talk show) لگائے بیٹھے تھے۔ اور ان کی امی روز کی طرح ان کی چک چک سن رہی تھیں۔

"اس" راکٹ سائنس "کو پتہ ہی نہیں چلا کہ اس کا راکٹ گرانے والا اس کے پیچھے کھڑا تھا پر جب اس نے مڑ کر دیکھا تو اسی لڑکی کا بڑا بھائی پیچھے کھڑا تھا۔ اور پھر اس کی جو دھلائی ہوئی۔ اوئے ہوئے ہوئے۔ کاش تم وہ منظر دیکھتے۔" علیزے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے جوش سے اسے بتا رہی تھی۔ معظم چائے کا کپ بنا رہا تھا۔

"تم نے جس طرح ساری بات اول و آخر بتا دی ہے نا، کافی ہے۔ اسی سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ اس سب کے بعد اس بچارے کا کیا ہوا ہو گا۔" معظم نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"بچارا نہیں تھا وہ۔ پورا دو نمبر لڑکا تھا۔ مار کھانے کے بعد وہاں سے ایسے بھاگا جیسے انڈیا کی پولیس پیچھے لگی ہو۔" علیزے نے اب جوس کا گلاس تھام لیا تھا۔

جوس پیتے ہوئے علیزے نے گلاس کے پار سے ہی اپنی امی کو دیکھا۔

آنکھیں چمکیں۔

جوس کا گلاس نیچے رکھا، ایک ہاتھ گال پر رکھ کر کہنی میز پر رکھی، امی کی طرف چہرہ کر لیا۔ اور گلہ کھنکھارا۔

"امی آج چھٹی کر لینے دیں پلیز زرز... " اس نے بچوں کی سی معصومیت سے کہا۔

"میرا بیٹا رات سونے کے لیے ہوتی ہے ناول پڑھنے کے لیے نہیں۔" ماں تو پھر ماں ہوتی ہے۔ انھوں نے بھی اسی سادگی سے جواب دے کر اسے لا جواب کر دیا۔

علیزے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟" اس نے تو دروازہ لاک کر کے پڑھا تھا تاکہ امی نہ دیکھ لیں۔ اور اب امی نے اس کے منہ پر ہی اس کا راز افشاں کر دیا تھا۔ معظم کھسیانی ہنسی ہنسا۔

"یہ بات سمجھنے کے لیے تمہیں میری عمر تک پہنچنا پڑے گا۔"

"کیا ساری مائیں ہی اتنی ظالم ہوتی ہیں؟" اس نے منہ بسور کر پوچھا۔

"جن کو اولادیں تم جیسی ہوں ان کی مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔" بس یہاں معظم کی بس ہو گئی تھی۔ اب اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ علیزے نے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں مارا۔

ثریا بیگم اٹھ کر چلی گئیں۔

"آئندہ کے بعد ناول کی داستان کسی کو رات کے دو بجے سنانی ہو تو آواز آہستہ رکھنا۔ ہمارے گھر کے دروازے ساؤنڈ پروف نہیں ہیں۔" اوہ مطلب امی نے اس کی آوازیں سن لی تھیں۔ ہاں وہ تہجد کے لیے اٹھتی ہیں نا۔

"تمہیں بھی پتہ تھا۔ معظم ... تم نہیں بچو گے آج۔" کہتے ساتھ ہی معظم بھاگ اٹھا۔ علیزے اس کے پیچھے بھاگی۔

"تمہیں کل رات کون چھوڑنے آیا تھا علیزے۔" وہ تینوں اس وقت گاڑی میں تھے۔ علیزے کو یونی چھوڑنے جا رہے تھے۔ امی نے گروسری کرنی تھی اسی لیے وہ بھی ساتھ ہی چل دیں۔

ان کے اچانک سوال پر علیزے کا دل زور زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا۔ رات وہ سو گئی تھیں اسی لیے اس سے پوچھ نہیں سکیں۔ اور اب انہیں یاد آ گیا تھا۔

"کل رات؟" اس نے یاد کیا۔

کل رات:

پارٹی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ کچھ لوگ نکل گئے تھے اور کچھ نکل رہے تھے۔ علیزے اپنا پرس ہال میں ہی بھول گئی تھی۔ وہ اسے لے کر اب گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لیکن گیٹ پر پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ فلک اور اریبہ تو جا چکی ہیں۔ اس نے فلک کے ساتھ جانا تھا۔ اس نے فلک کو پہلے نہیں بتایا تھا سوچا کہ بعد میں بتا دے گی لیکن وہ بعد آ ہی نہ سکی۔

نہ معظم اس وقت گھر پر ہو گا، نہ بھائی نہ بابا۔ امی کو فون کیا تو الگ پریشانی ہوں گی۔ اب کیا کرے؟ وہ مرے مرے قدموں کے ساتھ گیٹ کے قریب چکر لگانے لگی۔ اضطراب میں وہ بار بار اپنے ناخن کترتی رہی۔

"ابھی اتنی ہیوی کیلوریز کھا کر آئی ہو۔ ان بے زبان ناخنوں کو تو بخش دو۔"

وہ پیچھے سے اس تک آتا ہوا کہہ رہا تھا۔ علیزے نے مڑ کر دیکھا۔

وہ انجان شخص اس تک چلا آ رہا تھا۔

ہاں۔ وہ انجان ہی تو تھا۔

وہ ہشاش بشاش سا چلتا ہوا اس تک آیا۔ علیزے نے کوئی جواب نہ دیا۔ علیزے کو اس طرح پریشان دیکھ کر وہ بھی سیریس ہو گیا۔

"Is there any issue? "

اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

علیزے نے اس انجان شخص کو دیکھا۔ کیا وہ اسے اپنی پریشانی بتا سکتی تھی؟

ہاں۔۔۔ علیزے نے اسے سب بتا دیا۔

"تو کسی کلاس فیلو سے لفٹ لے لو۔"

"میں کسی کو نہیں جانتی یہاں۔"

"تمہیں یونی جوائن کیے تین ہفتے ہونے والے ہیں۔ ابھی تک کسی سے دوستی نہیں کی؟" اس نے

حیرانی سے استفسار کیا۔

"میں انجان لوگوں سے.."

"دوستی نہیں کرتی۔ جانتا ہوں۔" اس نے فقرا مکمل کیا۔ "لیکن کم از کم کسی سے جان پہچان تو رکھنی

چاہیے۔ کبھی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

علیزے نے اس کی بات کا جواب نہ دیا وہ صحیح ہی تو کہہ رہا تھا۔

"اور تمہارا بھائی؟ وہ کہاں ہے؟"

"وہ کہیں گیا ہے۔ ابھی نہیں آسکتا۔ گھر پر بھی کوئی نہیں ہے۔"

احمر نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ اسے بھی گھر جانا تھا۔ لیکن وہ اس لڑکی کو یہاں اکیلے چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"اگر تمہیں کوئی issue نہ ہو تو میں تمہیں ڈراپ کر دوں؟"

"تم... نہ... نہیں۔ میں کمفرٹبل نہیں ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ پھر ایک کام کرتے ہیں اُبر منگوا لیتے ہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ میں اکیلی نہیں جا سکتی۔ امی بہت ڈانٹیں گی۔"

"تمہیں اکیلے نہیں جانا، میرے ساتھ نہیں جانا، پھر جانا کیسے ہے؟؟ اس وقت کوئی جٹ تو نہیں آئے گا۔"

علیزے خود کو ملامت کرتی ہوئی سائڈ پر بیٹھ گئی۔ احمر وہیں کھڑا تھا۔ وہ بار بار اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اسے لیٹ ہو رہا تھا۔

"میرے پاس ایک اور حل ہے۔"

"کیا؟" علیزے نے امید سے اسے دیکھا۔

"تم ابر پر گھر جاؤ گی۔ میری گاڑی پیچھے ہی ہو گی۔ جب تم گھر پہنچ جاؤ گی تب میں چلا جاؤں گا۔"
 "ہاں یہ طریقہ ٹھیک تھا۔" علیزے رضا مند ہو گئی۔

وقت ایک دفعہ پھر دس سال پچھلے وقتوں میں چلا گیا تھا جب ہیزل آنکھوں والا لڑکا بچ پر افسردہ بیٹھا تھا اور چشمے والی لڑکی نے اسے حل بتایا تھا۔ اور آج چھوٹی آنکھوں والی لڑکی پریشان بیٹھی تھی اور انجان شخص نے حل بتایا تھا۔
 نیکی لوٹ کر واپس آگئی تھی۔

کیا ان کی قسمت میں بار بار یوں ماضی اور حال کا امتزاج ہونا مکتوب تھا؟
 "ٹھیک ہے لیکن۔۔ وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمہیں بھی وقت پر پہنچنا ہو گا گھر۔ میری وجہ سے دیر ہو جائے گی۔" احمر مسکرایا۔

"میں لڑکا ہوں۔ گھر دیر سے بھی گیا تو کوئی سوال نہیں کرے گا۔ تم لڑکی ہو دیر سے گئی تو محلے کی باجی نصرین اور باجی پروین پوچھ پوچھ کے سر کھا جائیں گی۔"
 اس کی بات پر علیزے ہنس پڑی۔

وہ پریشانی میں بھی ہنسانے کا ہنر رکھتا تھا۔
 احمر بھی اسے دیکھ کر مسکرایا۔

اس نے علیزے سے لوکیشن پوچھی اور ابر بک کی۔ اب بس تھوڑی دیر میں وہ آ جائے گی۔

علیزے نے بالوں کا جوڑا بنا لیا تھا۔ میک اپ اب بھی ویسا ہی تھا۔ فریش۔ البتہ وہ بہت تھک چکی تھی۔

"ویسے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟"

"ہاں"

"تم ایک میچیور لڑکی ہو۔ میں نہیں مان سکتا کہ تم اکیلی کہیں جاتی نہیں۔ یا تمہیں اکیلے جانے سے ڈر لگتا ہے۔ پھر کیوں نہیں جاتی۔"

"بانیہ کہتی ہیں ہر بات کے پیچھے ایک وجہ ہوتی ہیں۔ ہر کہانی کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ اور اسی پس منظر کی وجہ میں اکیلے نہیں جاتی۔ رک کر احمر کا چہرہ دیکھا۔ جاننا چاہو گے؟"

احمر نے ہاں میں سر ہلایا۔

"تین سال پہلے میں اپنی دوستوں کے ساتھ رات کسی فنکشن سے واپس آرہی تھی۔ راستے میں کچھ لڑکوں نے بد تمیزی کی تو میں نے ایک کو تھپڑ مار دیا۔ ہم وہاں سے بھاگ گئیں۔ ان میں سے ایک لڑکا مجھے جانتا تھا یا شاید جان گیا تھا۔ اس دن کے بعد وہ ایک ہفتے تک میرے گھر کے باہر گھومتا رہا تھا۔ میں نے امی کو نہیں بتانا۔ غلطی کی تھی۔ بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ایک ہفتے سکول نہیں گئی۔ اسی ڈر سے گھر بیٹھی رہی۔ بخار ہو گیا۔ حالت خراب۔ پھر ایک دن میں نے امی کو سب بتا دیا۔ اور اس کے بعد انھوں نے مجھے کبھی بھی رات کو اکیلے جانے سے منع کر دیا تھا۔ اور میری بھی اتنی ہمت نہیں ہوئی کبھی اکیلے جانے کی"

احمر دلچسپی سے ساری کہانی سن رہا تھا۔

"اور اس لڑکے کا کیا ہوا۔"

"اس لڑکے کا۔" علیزے مسکرائی۔ شیطانی مسکراہٹ۔

"منظر بھائی نے اس کا ایسا علاج کیا کہ دوبارہ کبھی وہ نظر نہیں آیا۔"

"منظر بھائی؟"

"میرے بڑے بھائی۔"

"اوہ۔ بہت برا ہوا بیچارے کے ساتھ۔" علیزے نے اسے آنکھیں چھوٹی کر کر دیکھا۔

"اس پر ترس کھانا چھوڑو اور چلو۔ ڈرائیور آنے والا ہو گا۔" علیزے اٹھ کھڑی ہوئی۔ احمر بھی اٹھا۔

"تم بتاؤ۔ تم کب سیکھو گی۔"

"ڈرائونگ میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"ایسا کوئی کام نہیں ہے جو ایک لڑکی نہ کر سکے۔ بس پہل کرنی پڑے گی۔" دونوں آہستہ آہستہ باہر کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔

علیزے زمین کی طرف دیکھ کر چل رہی تھی۔

"اب امی کو کیا کہو گی؟"

"یہی کہ فلک نے ڈراپ کیا ہے۔ ورنہ تمہیں پتہ ہے اس دن میں اپنی دوست سے ملنے گئی تھی اور واپسی پر لیٹ ہو گئی۔ اخروٹ کو فون کیا تو اس نے میرا نمبر بلاک کیا ہوا تھا۔ بد تمیز۔ اور جب میں گھر پہنچی تو امی کی اتنی ڈانٹ سنی پڑی تھی۔ اسی لیے اگر میں نے بتایا کہ خود آئی ہوں تو اس دفعہ جوتے پڑیں گے۔" وہ معمول میں اتنی باتیں کبھی نہیں کرتی تھی۔ گھر والوں سے کرتی تھی بس۔ باہر والوں سے بس کام کی حد تک۔ اور آج بلا ضرورت ہی اتنا بول رہی تھی۔ شاید اسے باتیں کرنے کا شوق تھا لیکن کوئی ملتا نہیں تھا جو اس کی باتیں سن سکے۔

"اخروٹ۔" ساری بات سن کر اسے صرف ایک لفظ کی کہانی جانی تھی۔ وہ ایسا ہی تھا۔ ساری بات سن کر ایک لفظ کی کہانی جاننے کا تجسس رکھنے والا۔ عزیزے اس کی بات پر ہنسی۔ دونوں باہر پارکنک کی طرف آ گئے تھے۔

"معظم کو میں اخروٹ بلاتی ہوں۔"

"مجھے مسٹر ایڈیٹ بلاتی ہو۔ بھائی کو اخروٹ۔ کبھی کسی نے تمہیں کوئی نام دیا ہے؟"

"کوئی دے کر تو دکھائے۔"

احمر اسے دیکھ کر عجیب سا مسکرایا۔ عزیزے نے اس کی مسکراہٹ بھانپ لی۔

"سوچنا بھی مت۔" عزیزے نے انگلی دکھا کر تنبیہ کی۔

"میرے ساتھ رہ کر تم نے بھی ذہن پڑھنے شروع کر دیے ہیں۔ سمارٹ۔"

"احمر.. میں کچا چبا جاؤں گی۔"

"ٹیسٹ بہت کڑوا ہو گا۔"

"باتوں میں تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"

اسی وقت احمر کو کال آگئی۔ ابر والا آ گیا تھا۔

احمر نے اس سے کچھ بات کی اور علیزے کو بیٹھنے کو کہا۔ خود وہ اپنے گاڑی کی طرف جانے لگا۔

"احمر۔" وہ رکا۔ مڑا۔ سوالیہ نظریں۔

"آیت الکرسی پڑھ لینا۔" احمر نے سر کو خم دیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

علیزے بھی فرنٹ سیٹ کے پیچھے بیٹھی جہاں ڈرائیور کی نظر نہ پڑ سکے۔ یہ بھی احمر نے تاکید کی تھی۔

اس نے اپنے چہرے کے گرد وپٹہ لپیٹ لیا تھا۔ پھر آیت الکرسی پڑھی۔

راستے میں علیزے نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ کہیں وہ چلا تو نہیں گیا۔ لیکن نہیں احمر کی گاڑی اس کی گاڑی

سے تھوڑے فاصلے پر تھی۔ ایک انجان مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

کتنا غلط سمجھتی تھی وہ اسے کہ وہ اس کے پیچھے اس کی دوستی کے لیے آتا تھا۔ جب سے یونی اسٹارٹ

ہوئی تھی اس نے ایک دفعہ بھی اس سے دوستی کی بات نہیں کی تھی۔ بلا ضرورت بلاتا نہیں تھا۔ ہاں

تنگ کرتا تھا تھوڑا بہت لیکن ایک حد میں رہ کر۔ وہ اچھا تھا۔

اس گاڑی سے تھوڑے سے فاصلے پر احمر اپنی گاڑی چلا رہا تھا۔ اے سی کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا گاڑی میں پر پھیلانے ہوئے تھی۔

وہ بھی بار بار اپنی جانب مڑتی علیزے کو فرنٹ مرر سے دیکھ رہا تھا۔ بار بار مسکرا کر سر جھٹکتا۔ پاگل لڑکی۔

اس کا رویہ احمر کے ساتھ اچھا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح چڑتی نہیں تھی۔ دھتکارتی نہیں تھی۔ بات سن لیتی تھی۔ اب تو خود بھی باتیں کرتی تھی۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ سب۔

ایک انسان جسے آپ دس سال پہلے کھو چکے ہو، جس کی واپسی کی کوئی امید نہ ہو۔ وہ ایک دن اچانک سامنے آجائے تو جو خوشی اور مسکراہٹ تمہیں اس وقت احمر کے چہرے پر نظر آئے گی وہ سچی ہو گی۔ وہ خوشی کی ہو گی۔ تسکین کی ہو گی۔

تھوڑی دیر بعد علیزے اپنے گھر کے باہر پہنچ گئی۔ اس نے گاڑی والے سے rent کا پوچھا تو اس نے منع کر دیا کہ بھائی نے دے دیا تھا۔ پھر وہ چلا گیا۔

علیزے نے احمر کی گاڑی کی طرف دیکھا پھر اپنے گھر کی طرف قدم بڑھائے۔ احمر گاڑی لے کر آگے آیا۔ علیزے کے بالکل سامنے گاڑی کی سپیڈ بالکل زیرو کر دی۔ علیزے نے اسے دیکھ کر سر ہلا دیا۔ وہ اپنے گھر پہنچ چکی تھی۔ احمر نے اشارہ سمجھ کر گاڑی کو ریس دی اور چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہاں کل رات کون چھوڑنے آیا تھا؟"

"امی فلک کے ساتھ آئی تھی۔ بتایا تو تھا کہ وہ ڈراپ کرے گی۔"

امی کچھ نہ بولیں۔ یعنی سب ٹھیک ہے۔ علیزے نے شکر کا سانس لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ یونی کے اندر تھی۔ کلاس میں جاتے ہوئے اسے احمر نظر آیا۔ وہ کتابوں میں مصروف تھا۔ علیزے نے اسے پکارا۔

"احمر"

اس کی آواز سن کر وہ رک گیا۔ علیزے قریب آئی۔

"تھینک یو۔" بغیر کسی سابقے لاحقے کے بولا گیا۔

وہ صحیح تھا۔ علیزے کو تھینک یو بولنا آ گیا تھا۔

"ایک وقت تھا جب مجھے کہہ کر تھینک یو بلوانا پڑتا تھا۔ اب تو روز ہی سننے کو ملتا ہے۔"

"راس نہیں آ رہا تو بتا دو۔ میں نہیں بولوں گی۔"

"نہیں نہیں بہت شکریہ مجھے یہ شرف بخشے گا۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر شکریہ کہا۔ پھر چلا گیا۔ علیزے بھی اپنی کلاس کے لیے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بھائی کے لاڈ"

دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان پر نیلاہٹ ہر طرف بکھری تھی۔ سفید روئی کے گالے آسمان کی زینت بنے تھے۔ اسلام آباد کے ایک پوش علاقے کے اس گھر میں اس وقت خاموشی تھی۔ چار افراد اس گھر کے مکین تھے۔ اس وقت صرف دو موجود تھے۔

اس گھر کے داخلی دروازے پر پتھروں کی روش بنی تھی۔ اس کے اطراف میں سبز گھاس بچھی تھی۔ کیاریوں میں پھولوں کے چھوٹے چھوٹے گلداں تھے۔

داخلی دروازے سے اندر آؤ تو بائیں طرف تین چار سٹیپس تھے جو اندرونی حصے کی طرف لے کر جاتے تھے۔ سٹیپس کے ساتھ والا حصہ گیراج کا تھا جہاں اس وقت کوئی گاڑی نہیں کھڑی تھی۔ آگے والا حصہ کھلا تھا۔

اوپر کی طرف آؤ تو وہاں بھی سبزہ زار تھا۔ شاید اس گھر کے مکینوں کو سبزہ بہت پسند تھا۔ اندرونی دروازہ دائیں جانب تھا۔

گھر کا دروازہ دھکیل کر اندر آؤ تو بائیں طرف ایک لمبی راہداری تھی جس کے آخری سرے پر ایک کمرہ تھا۔ جسے تالا لگا تھا۔

دائیں طرف اوپن لائونج تھا اور فاصلوں پر تین کمرے۔ ایک ڈرائنگ روم ، ایک بیڈ روم اور ایک سٹور روم۔ اوپن کچن سٹور روم کے سامنے تھا۔ اوپری منزل پر بھی دو کمرے تھے۔

یہ گھر دو اطراف سے سبزے میں گھرا ہوا تھا۔ پیچھے کی جانب کھلا سوئمنگ پول تھا اور آس پاس بیٹھنے کی وافر جگہ۔

واپس گھر کی طرف آؤ تو کچن میں ایک معمر خاتون اس وقت موجود تھیں جو دوپہر کا کھانا تیار کر رہیں تھیں۔

"بچے کھانا کھا لو۔ کب سے پڑھ رہی ہو۔" ان کے لہجے میں کافی ٹھہراؤ تھا۔ دھیما لہجہ۔

"جی امی آگئی۔" پہلی پکار پر ہی ایک لڑکی نے جواب دیا۔ کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ایک لڑکی سیڑھیوں سے نیچے آتی دکھائی دی۔

وہ ایک سترہ اٹھارہ سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ بال کندھوں سے زرا نیچے آتے تھے۔ ماتھے پر کٹے بال آنکھوں سے تھوڑے اوپر تک تھے۔ اس وقت رف سے حلیے میں ملبوس تھی۔ ہاتھ میں ایک کتاب پکڑے وہ ڈانگ ٹیبل کی طرف بڑھی اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

نظریں اب کی اس کی کتاب پر تھیں۔ بالکل 90 کے اینگل پر۔

"پہلے کچھ کھا لو بیٹے۔" انھوں نے پھر سے اسے نرمی سے پکارا جو کھانا اس کے سامنے رکھ رہی تھیں۔ لڑکی نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔

"بھائی آگئے؟" بار بار کا پوچھا ہوا سوال پھر دہرایا۔

"وہ شام کو آئے گا۔" بار بار کا بتایا ہوا جواب پھر سے دہرا دیا۔

"پھر میں ان کے ساتھ ہی کھاؤں گی۔" نگاہیں پھر سے کتاب پر مرکوز کر لیں۔

اس کی امی نے کچھ بھی کہے بنا اپنا فون اٹھایا اور ایک نمبر پر کال ملائی۔ رابطہ چھوٹے ہی بغیر کسی تمہید کے پوچھا گیا۔

"چھوٹی تم پھر سے کھانا نہیں کھا رہی نا؟" فون اسپیکر پر تھا۔ بھائی کی آواز سن کر زمارہ نے جھٹ سے سر اٹھایا۔ اور فون پکڑ لیا۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

ساتھ ہی سامنے پڑی پلیٹ سے بائٹ لی۔ امی اسے دیکھ کر مسکرائی۔

(میری نہ سہی لیکن بھائی کی بات کبھی نہیں ٹالے گی۔)

"ماں کو اپنی اولاد کے بارے میں پتہ ہونے کے لیے آنکھوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

اس کی اس بات پر زمارہ ہنسی۔

"بھائی آپ کی اس بات پر میرے سامنے بیٹھی میری امی فون سے ہی آپ کے کان کھینچنے کا اختیار رکھتی ہیں۔"

لڑکا ہنسا۔

"پھر کیوں تنگ کرتی ہو انہیں۔"

"میں کب تنگ کر رہی ہوں کھا تو رہی ہوں کھانا۔ امی خواہ مخواہ آپ کو پریشان کرتی ہیں۔" وہ بات کرتے کرتے کھانا کھاتی رہی۔ یہ واحد طریقہ تھا بھائی کی غیر موجودگی میں اسے کھانا کھلانے کا۔

اور امی جو اسے تیسری بار کھانا کھانے کا کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کی بات پر مسکرا کر سر ہلایا (کچھ نہیں ہو سکتا اس کا)

"میں شام میں آتا ہوں۔ دو تین کام ہیں وہ کرنے ہیں اپنا اور امی کا خیال رکھنا۔ خدا حافظ۔" ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ اب تک وہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔

"اچھا ہتھیار ہے آپ کے پاس مجھے بلیک میل کرنے کا امی۔" اس نے جھر جھری لی اور کتاب اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مخلص دوست! مخلص دوست؟"

یونی کے گراؤنڈ میں اس وقت طالب علموں کی خوب چہل پہل تھی۔ کچھ گھر جانے کو تیار تھے۔ کچھ کا آخری لیکچر چل رہا تھا اور کچھ کلاسز سے نکل رہے تھے۔ علیزے بھی گھر جانے کو تیار تھی۔ معظم کو اس نے فون کر دیا تھا۔ اس وقت یونی گیٹ سے وہ تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی۔ ایک بیچ پر بیٹھ کر وہ کتاب پر کچھ مارک کر رہی تھی۔ سورج اس کے سامنے تھا۔

احمر ہاتھ میں کچھ پمفلٹس لیے اس تک آیا۔

"گھر جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟" علیزے نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں معظم آتا ہی ہو گا۔" احمر نے آبرو اکٹھے کیے۔

"تو تم نے کچھ سوچا نہیں؟"

"کس بارے میں؟"

"ڈرائیونگ سیکھنے کے بارے میں۔"

"میں نے کہا تو ہے یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

احمر ہر آس پاس سے گزرتے ہوئے کو وہ پمفلٹ پکڑا رہا تھا۔

"کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے یہی لگتا ہے کہ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ لیکن دریا کی گہرائی کا اندازہ اس میں اتر کر ہوتا ہے۔" وہ علیزے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے کے دھوپ کا راستہ رک گیا۔

"ڈرائیونگ تمہارے بس کی بات ہے یا نہیں یہ جب تک تم سیکھو گی نہیں تب تک نہیں پتہ چلے گا۔ ایک دفعہ کوشش کرو۔ اگر نہ ہوا تو مت کرنا۔ مگر atleast خود کو ایک چانس دو۔"

علیزے نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ یعنی وہ کوشش کرے گی۔ وہ اس شخص کی باتوں کو سنجیدگی سے لیتی تھی۔ اس کی باتیں دل پر اثر کرتی تھیں۔

"تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"یونی کی طرف سے ہر سال غریب طبقے کو فنڈز دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے کچھ پسماندہ علاقوں میں ہم جا کر دیکھتے ہیں انہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ ان کے مسائل سنتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں

- ضرورت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ بس اسی کے لیے ٹیم بنا رہا ہوں۔ تم جانا چاہو گی؟ "اس نے سر سری سا پوچھا۔

"میں ضرور جانا چاہوں گی۔"

احمر کھلے دل سے مسکرا دیا اور واپس جانے کو پلٹا۔

"بات سنو۔ مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"کل تم نے کہا تھا میں دوست بناؤں۔ مطلب جان پہچان بڑھاؤں۔ کیونکہ بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جو میں اکیلی نہیں کر سکتی۔ کسی کی help چاہئے ہوتی ہے تو میں کیسے کسی سے بات کروں۔ میں یہاں کسی کو جانتی بھی نہیں۔"

وہ اس سے بات کر رہی تھی کیونکہ اسے لگتا تھا کہ یہ انسان اس کی مدد کر سکتا ہے۔

"یعنی تم دوست بنانا چاہتی ہو۔"

احمر کو لگا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔ اس کی مدد بھی کرتا ہے۔ کام بھی آتا ہے۔ دوستوں کی طرح رہتا ہے۔ شاید وہ اب اسے دوست مان چکی ہوگی لیکن وہ تو دوست بنانے کا پوچھ رہی تھی۔

"نہیں دوست نہیں۔ بس یونہی جان پہچان رکھنی ہے۔ کام کی حد تک۔"

"You mean friends with benefits"

"یہ تو خود غرضی ہو گی۔"

"علیزے تعلقات ہمیشہ ایک چیز سے شروع ہوتے ہیں۔ اعتبار سے۔ اگر رشتوں میں اعتبار قائم ہے تو وہ دیر تک چلتے ہیں۔ ورنہ وہ کسی بھے موڑ پر ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ وہ زمانہ نہیں ہے جہاں بلاغرض کام ہوتے ہوں۔ آج کل ہر کوئی دوسرے کے ساتھ کسی غرض سے جڑا ہے۔ تم کسی ایک سے مدد مانگو گی، وہ پہلے اپنا فائدہ دیکھے گا پھر مدد کرے گا اور اپنا فائدہ نہیں نظر آئے گا تو صاف انکار کر دے گا۔" وہ تمکنت سے نرم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی۔

"انسان تعلقات کیوں بناتا ہے تاکہ جب ضرورت پڑے تو وہ ان کے کام آسکیں اور بدلے میں ہم انھیں فیورز دیتے ہیں تو اس میں خود غرضی کہاں سے آگئی؟ علیزے کو بات کچھ سمجھ آرہی تھی۔ خود غرضی تو وہاں ہوتی ہے جہاں ایک فائدہ اٹھا رہا ہو اور دوسرا بس فائدہ دے رہا ہو۔"

"تم لوگوں سے بات چیت رکھو لیکن ایک حد تک۔ انھیں اپنے پرسنلز میں دخل اندازہ مت کرنے دو۔ یہ تو تمہارے اختیار میں ہے نا۔" علیزے نے میکاکی انداز میں سر ہلایا۔ عجیب بات تھی جب وہ بولتا تھا تو وہ بس اسے سنتی تھی۔ آس پاس کی ہر آواز دم توڑ دیتی تھی۔

"اس یونی میں تمہیں ہر طرح کے لوگ ملیں گے۔ سب کی اپنی شخصیت ہوگی۔ اگر سب لوگ ایک جیسے ہوتے تو اس دنیا میں بلیک اینڈ وائٹ کے علاوہ کوئی رنگ نہ ہوتا۔ جیسے مختلف رنگ ہماری زندگی میں رنگینی بھرتے ہیں ویسے ہی مختلف لوگ ہماری زندگی میں مختلف کردار ادا کرتے ہیں۔"

"لیکن میل جول بڑھانے کے لیے اس جگہ سے مانوس ہونا پڑتا ہے اور میں اس جگہ سے ابھی تک مانوس نہیں ہوئی۔ یوں لگتا ہے ابھی فرار ملے اور میں بھاگ جاؤں۔"

"میں نے پہلے بھی کہا تھا نئی جگہ پر جا کر ایڈجسٹ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ابھی تمہیں دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ تھوڑا خود کو وقت دو۔ تھوڑا دوسروں کو وقت دو۔ تم بھی اس جگہ سے جلد مانوس ہو جاؤ گی۔ اور پھر تمہیں یہ جگہ چھوڑنے کا دل نہیں کرے گا۔ اس کے لیے ایک حل ہے۔ تم لوگوں کو explore کرو۔ ان سے دوستی کرو۔ ان سے بات چیت کرو۔ تعلقات بڑھاؤ۔ آہستہ آہستہ تمہارا بھی دل لگ جائے گا۔"

"لیکن مجھے دوست بنانے نہیں آتے۔ میں دوستی کے معاملے میں بہت بری ہوں۔" اس نے یاسیت سے کہا۔

"ہمیشہ سے؟" سوال بہت ڈائریکٹ تھا۔ علیزے سے فوراً کچھ بن نہ پڑا تو سچ ہی بول گئی۔ جھوٹ بولنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے۔

"دھوکہ ملنے کے بعد سے۔" علیزے نے سر جھکا لیا۔ نگاہیں اپنے ہاتھوں پر مرکوز کر لیں۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی۔

"پھر اریبہ اور فلک کیسے اب تک تمہارے ساتھ ہیں؟"

"وہ میرے ساتھ اس لیے ہیں کیونکہ انھیں میری ضرورت ہے مجھے نہیں۔" مرے دل کے ساتھ بولی گئی بات پر وہ خوب پچھتائی۔

"یہ غلط بیانی ہے۔ تم خود کے ساتھ ظلم کر رہی ہو۔ تم خود کو دوستوں سے دور کر رہی ہو۔ خود کو اذیت دے رہی ہو۔ تمہیں ان کی ضرورت ہے لیکن تم شو نہیں کرواتی۔ تم یہ تاثر دیتی ہو کہ تمہیں فرق نہیں پڑتا لیکن دور اندر تم فکر کرتی ہو عزیزے۔ اتنی ظالم مت بنو۔" اسے اس لڑکی کی حالت پر ترس آیا۔ وہ کیا تھی اور کیا بن چکی تھی۔

عزیزے خاموش رہی۔ کیا بولتی۔

"اگر انسان کے پاس مخلص دوست ہو تو اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔ تمہارے پاس مخلص دوست..."

"نہیں ہے۔ میرے پاس کوئی مخلص دوست نہیں ہے احمر۔ ایٹلیسٹ ویسا نہیں جیسا میں چاہتی ہوں۔ اور جو لگتا تھا اسے میں نے کھو دیا۔" وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ کتابیں بیچ پر رکھ دیں۔ اب دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ دھوپ اب بھی احمر کی پشت پر تھی۔

"لیکن تم نہیں سمجھو گے تم نے کبھی کوئی دوست نہیں کھویا۔" اس کا دل بے زار ہو چکا تھا۔ وہ کس ارادے سے بات کرنے بیٹھی تھی اور بات کہاں کی کہاں پہنچ گئی تھی۔ اب بات کرنے کو کچھ نہیں تھا اس نے کتابیں اٹھائیں اور قدم بڑھائے۔

اس نے کبھی دوست نہیں کھویا اسے کیا پتہ دوستی کیا ہوتی ہے اور دوست کو کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ وہ بھی پتہ نہیں کس سے بات کر رہی تھی۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ دوست صرف تم نے کھویا ہے؟" اس کی سرد آواز پر وہ جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی۔ یہ وہ آواز نہیں تھی جس سے وہ پہلے بات کر رہا تھا۔

"میں نے بھی دوست کھویا ہے اور میں جانتا ہوں مخلص دوست کھونے کا درد کیا ہوتا ہے۔" وہ قدم قدم چلتا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ غصے میں نہیں بول رہا تھا۔ بس سنجیدگی سے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ وہ اتنا سنجیدہ کب ہوا تھا پہلے؟

علیزے اسے چپ کروانا چاہتی تھی۔ لیکن لب ہلنے سے انکاری تھے۔ وہ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا اور وہ اسے روک بھی نہیں پا رہی تھی۔

"تم نے دوست کھویا تمہیں دکھ ہوا۔ اور اس دکھ کے سامنے تمہیں کسی دوسرے کا دکھ چھوٹا لگتا ہے۔ تمہارے پاس جو نہیں ہے تم اس کا سوگ منا رہی ہو لیکن جو ہے اس پر شکر نہیں کر رہی۔ میں نے جسے کھویا اس کا دکھ ہے لیکن میں اس کی وجہ سے اس کی ناشکری نہیں کر رہا جو میرے پاس ہے۔ میں نے اپنے ماضی کو، اپنے دکھ کو اپنے آج پر ہاوی ہونے نہیں دیا۔ میں نے اسے ماضی میں چھوڑ کر آج میں رہنا سیکھ لیا ہے۔ تم بھی سیکھ لو۔"

وہ بولتا تھا تو وہ سنتی تھی لیکن ابھی وہ چاہتی تھی کہ وہ چپ ہو جائے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ظالم ہے۔ ظالم تو وہ خود ہے جو اتنے تلخ الفاظ زبان سے نکال رہا ہے۔ کیسا انسان ہے۔ کیا اسے تکلیف نہیں ہوتی۔ کیا اس کے زخم تازہ نہیں ہوتے۔

اسی وقت علیزے کو معظم کی کال آئی۔ اس نے فون اٹھا کر "آ رہی ہوں" کہا۔ ابھی فون رکھا ہی تھا احمر وہاں سے چلا گیا۔ علیزے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

علیزے کو دکھ ہوا۔ اس نے آج پھر سے اپنی وجہ سے کسی دوسرے کو ہرٹ کر دیا تھا۔



کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟

شام کا وقت تھا۔ آسمان نارنجی ہو کر سیاہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ پرندے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ایسے میں علیزے اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ تھوڑی تلے رکھا تھا۔ ایک ٹانگ موڑی ہوئی تھی اور ایک ٹانگ زمین کو لگ رہی تھی۔

صبح ہونے والے واقعے کو اب تک بھلا نہیں سکی تھی۔ احمر نے اپنا دوست کھویا تھا۔ کیا واقعی۔ لیکن اسے دیکھ کر تو کبھی نہیں لگا۔ وہ تو ہمیشہ خوش باش رہتا تھا۔

علیزے نے اپنے سامنے پڑے فون کو دیکھا جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے ایک گروپ میں ایڈ کیا گیا تھا۔ وہی جس کے بارے میں صبح احمر بات کر رہا تھا۔ اس گروپ کا ایڈ من احمر تھا۔

اس نے کسی سوچ کے تحت فون اٹھایا۔ احمر کا نمبر سکرین پر جگمگایا۔ کیا وہ اسے کال کرے؟ کیا وہ معافی مانگے؟

کبھی میسج لکھتی کبھی مٹا دیتی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ پھر کال ملا دی۔ رنگ جاتی رہی۔ جاتی رہی۔ اسے لگا اسے اس وقت فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فون بند کرنے کے لیے کان سے ہٹایا ہی تھا کہ۔۔۔

"ہیلو۔" اس کی آواز فضا میں گونجی۔ اب چاہ کر بھی فون بند نہیں کر سکتی تھی۔ پھر سے کان سے لگا لیا۔ لیکن خاموش رہی۔

"ہیلو۔ کون؟"

"احمر۔" اس نے پکارا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔

"علیزے؟" وہ کیسے نہ پہچانتا۔

"آئی ایم سوری۔ صبح میں نے پتہ نہیں کیوں..."

"ویٹ۔ ویٹ۔ سانس تو لے لو۔" وہ روانی میں بول رہی تھی جب احمر نے اسے ٹوکا۔

علیزے نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔

"اب بولو۔" اب والا احمر صبح والے احمر سے بالکل مختلف تھا۔

"صبح تم میری وجہ سے ہرٹ ہوئے اس کے لیے سوری۔"

"تمہیں سوری بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہرٹ نہیں ہوا تھا۔ بس ایک بات تھی وہ بتا دی۔"

اسی پل احمر نے ہارن دیا۔ شاید وہ راستے میں تھا۔

"پکا؟" احمر مسکرایا۔

"اسٹیپ لگوا دوں؟"

علیزے بھی اب مسکرائی۔

"صبح بات اُدھوری رہ گئی تھی۔"

"اچھا تو اسی لیے فون کیا گیا ہے۔"

علیزے نے بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"نہیں نہیں وہ تو میں بس... اس سے کچھ بن نہ پڑا۔" وہ.. میرا مطلب تھا کہ... "اب دل چاہا کہ فون بند کر دے۔"

"کال مٹ کاٹنا۔ میں مزاق کر رہا تھا تم بات کرو۔" اوہ کیوں اللہ نے اسے اتنی عقل دی تھی کہ وہ فون کے پیچھے سے بھی سچ جان جاتا تھا۔

"احمر تم نے کہا تھا کہ میں دوست بناؤں۔ لیکن مجھے دوست بنانے نہیں آتے۔ میں نے کہا نا میں دوستی کے معاملے میں بالکل dumb ہوں۔"

"بات یہ نہیں ہے کہ تمہیں دوست بنانے نہیں آتے۔ بات یہ ہے کہ تم پہل نہیں کرتی نہ کرنا چاہتی ہو۔ کیسا ایسا نہیں ہے؟"

علیزے نے "ہوں" بولا۔ صحیح کہہ رہا تھا وہ۔

"کیا میں وجہ بھی بناؤں؟"

"کیونکہ مجھے لگتا ہے وہ بھی مجھے دھوکہ دیں گے۔ مجھ اکیلا چھوڑ دیں گے۔"

"اور تمہارے اس ڈر نے تمہیں آج تک پہل کرنے سے روک رکھا ہے۔" علیزے نے مستعدی سے سر ہلایا۔

علیزے اب کمرے میں یہاں سے وہاں چکر لگا رہا تھی۔ اور احمر مسلسل ڈرائیو کر رہا تھا۔
 "میں اس ڈر کو کیسے ختم کروں؟"

"کوئی مریض اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود اپنا علاج نہ کروانا چاہے۔ ہاں اگر اس نے علاج کروانے کی ٹھان لی تو اللہ کے کن کے علاوہ کوئی چیز اسے ٹھیک ہونے سے نہیں روک سکتی۔" علیزے اپنا علاج کروانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے ماضی کے ٹروماز سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ وہ escape path لیتے لیتے خود بھی تھک گئی تھی۔ اسی لیے اب بس۔ اب وہ اپنا آپ خود ٹھیک کرے گی۔

"ماضی کو یاد کرنا چھوڑ دو۔ سمپل۔"

علیزے زخمی سا مسکرائی۔

"ماضی کو یاد کرنا میرے اختیار میں کب ہے احمر۔"

"لیکن خود پر تو اختیار ہے نا۔ بس خود کو بار بار یہ باور کرواؤ کہ جو ہو گیا وہ ایسے ہی ہونا تھا۔ ہماری زندگی میں جو لوگ آکر چلے جاتے ہیں وہ ہماری آزمائش ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں کچھ سیکھا کر جاتے ہیں۔ ہمیں اس سے سبق سیکھنا ہے ناکہ ماضی کا روگ لگا کر اپنے آج کو خراب کرنا ہے۔ جب تمہارا ماضی لکھنے والا اللہ ہے، جب تمہارا آج لکھنے والا اللہ ہے پھر تمہیں کس بات کی فکر ہے؟ تمہیں اس اندھیر

ماضی سے بھی تو نکال کر اس حال کے اجالے میں لایا ہے نا۔ تو ٹینشن کیوں لیتی ہو۔ وہ اب بھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ تم اپنے لیے دعا کیا کرو۔ وہ تمہیں اس مشکل وقت سے بھی نکال دے گا۔

"اپنے لیے دعا کرو؟ مطلب؟" احمر نے کار روک کر سائنڈ پر لگائی۔ اور فون دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"جیسے ہم دوسروں کے لیے دعا کرتے ہیں ویسے ہی ہمیں اپنے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔ ہم اپنے ماں باپ کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں، ان کی صحت یابی کی دعا کرتے ہیں، بہن بھائیوں کے لیے دعا کرتے ہیں، کسی خواہش کے لیے دعا کرتے ہیں، کوئی بیمار ہے تو اس کے لیے دعا کرتے ہیں... ایسے ہی ہمیں اپنے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔" وہ ایک روانی میں فقرے بول رہا تھا۔ انداز ٹھیرا ہوا اور نرم گو تھا۔ علیزے کو لگا وہ اس کے سامنے ہے اور اسے سمجھا رہا ہے۔ جب وہ سمجھاتا تھا تو میلوں کے فاصلے بھی چند قدموں کے لگتے تھے۔

"اور تم جانتی ہو سب سے بہترین دعا کیا ہوتی ہے؟" اس وقت وہ استاد تھا اور علیزے شاگرد اور جب استاد کوئی نیا سبق پڑھا رہا ہو تو وہ شاگرد کے جواب دینے کا منتظر نہیں ہوتا وہ جانتا ہے وہ پڑھائے گا تو شاگرد کو سمجھ آئے گی۔ اسی لیے احمر نے بھی اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولنا جاری رکھا۔

"وہ دعا جو انسان اپنے لیے مانگے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے وہ دوسروں سے کہتے ہیں مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا، میرے لیے بھی دعا کرنا۔ میں انھیں غلط نہیں کہتا۔ بے شک دعا ایک ایسا تحفہ ہے جس سے انمول کچھ نہیں ہے۔ اور دعا تو آپ ہر راہ چلتے کو بھی دو تو تحفہ ہے جس کا نعم البدل کوئی نہیں۔ میں بس اتنا کہنا چاہتا ہوں، کیا انسان کو اپنی دعاؤں پر اتنا بھروسہ نہیں ہے کہ اگر

وہ خود کے لیے دعا کرے گا تو اللہ قبول نہیں کرے گا؟ جس اللہ نے دوسروں کے ذریعے آپ کے حق میں دعا قبول کرنی ہے کیا وہ آپ کے منہ سے نکلے گئے الفاظ کی پکار نہیں سنے گا؟ اللہ کو تو اچھا لگتا ہے جب بندہ اپنے لیے دعا کرے۔ ہم اگر قرآن کو اپنا سفارشی بنا کر دعا کریں گے تو وہ کیسے نہیں سنے گا؟ ہوں۔۔ کیا اس سے بہتر کوئی اپنے بندے کے دل کا حال جان سکتا ہے عزیزے؟ کبھی نہیں۔۔

"یعنی ہمیں ہر کسی سے نہیں کہنا چاہیے کہ ہمارے لیے دعا کریں"

"ہم کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں کہنا بھی چاہیے لیکن ہر کسی سے نہیں۔ ہمیں ہر کسی کے سامنے اپنی کمزوریاں نہیں دکھانی۔ ایسے لوگ ہماری کمزوری پکڑ لیں گے اور ہمیں نشانہ بنائیں گے۔"

"لیکن بانیہ تو کہتی ہیں جب ہمیں کوئی دعا کا کہے تو اس کے لیے دعا کرنی چاہیے۔"

"ہاں تو کرنی چاہیے۔ ایک انسان خود آکر کہے کہ میرے لیے دعا کرنا تو کیا ہم اسے خالی ہاتھ بھیج دیں گے؟ نہیں۔ ایسے تو اللہ ناراض ہو گا۔ ہم اس کے لیے دعا کریں گے لیکن ساتھ یہ بھی بتائیں گے کہ وہ بھی اپنے لیے دعا کریں۔ اپنے حق میں کی گئی دعا زیادہ جلدی قبول ہوتی ہے۔ جانتی ہو ہر کسی سے دعا کرنے کا کہنا.. یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ کیوں ایک بندے کو اپنے رب پر اتنا یقین نہیں ہے کہ وہ اس کی دعا قبول نہیں کرے گا بلکہ اگر وہ سات آٹھ لوگوں کو بھی کہے گا تب ہی دعا قبول ہو گی۔ اسے اپنی دعا پر ڈاؤٹ ہو گا کہ پتہ نہیں اللہ میری دعا قبول کرتا ہے یا نہیں اسی لیے وہ اپنے ساتھ اور لوگوں کو بھی دعا کرنے کو کہے گا۔ ایسے تو اس کے ایمان کا لیول کبھی ہائی نہیں ہو گا۔ وہ لو ہوتا رہے گا۔ اور یہی ایمان کا لیول تو ہائی کرنا ہے۔ اپنی دعاؤں پر یقین رکھ کر۔ خود اپنے

لیے دعا کر کے۔ بس ایک دفعہ دوسروں کے سہارے چھوڑ کر اپنے لیے دعا کرو ، صرف ایک دفعہ اپنی دعاؤں پر اعتبار کرو ، صرف ایک بار خود کے لیے دعا کر کے معاملہ اللہ پر چھوڑ دو ، صرف ایک دفعہ اللہ پر مکمل بھروسہ کرو پھر دیکھنا وہ کیسے نہیں سنے گا۔ قرآن میں اللہ نے کہا ہے ناکہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اس دنیا کے سہارے ہیں پھر بھی ہم ان پر rely کرتے ہیں ؟ یہ تو اللہ کے ساتھ نا انصافی ہوئی۔ اس دفعہ صرف اسے اپنا مددگار مان کر اس سے مانگو۔ پھر دیکھنا وہ کیسے کیسے دعائیں قبول کرتا ہے۔ اور جب تمہاری دعائیں قبول ہوں گی تو تم قرآن پاک کی اس آیت کو دہرانا "کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا۔" تمہارے دل کو سکون ملے گا۔ "وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔ فون اس نے سپیکر پر رکھ کر ماتھا اسٹیرنگ سے لگا لیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ دوسروں کو کنسول کرنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن یہ باتیں دل سے نکال کر وہ پر سکون تھا۔ "وہیں دوسری طرف علیزے نے اپنا سر دیوار سے لگا رکھا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ اس کے الفاظ روح تک اثر کر رہے تھے۔ وہ بول رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔ کتنا اچھا لگتا تھا اس کا بولنا۔ ہے نا۔

دونوں طرف خاموشی تھی۔

چند ساعتیں گزریں۔

چند لمحے سر کے۔

پھر دونوں ایک ساتھ بولے۔

"تم ٹھیک ہو؟"

احمر نے آنکھیں کھولیں۔ اسٹیرنگ سے سر اٹھایا اور فون آنکھوں کے سامنے کیا۔

(اسے ایسا کیوں لگا کہ میں ٹھیک نہیں ہوں؟)

علیزے نے آنکھیں کھولیں، فون نظروں کے سامنے کیا۔ حیرت سے سکرین کو دیکھا۔

(اسے ایسا کیوں لگا کہ میں ٹھیک نہیں ہوں؟)

دونوں مسکرائے۔ پھر ایک ساتھ بولے۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

جب انسان کے سامنے اللہ کی باتیں کی جائیں تو دل ہیل heal کرتے ہیں، زخم بھرنے لگتے ہیں۔

دونوں کے اپنے زخم تھے۔ دونوں کو ہیل ہونا تھا۔

اس کے الفاظ علیزے کو بھی ہیل کر رہے تھے اور خود اپنے لیے بھی ہیلر ثابت ہوئے تھے۔

دونوں نے کچھ بھی کہے بغیر فون رکھ دیا۔ وہ زمین پر بیٹھی تھی۔ پاؤں سینے سے لگا رکھے تھے۔ اس بار

اپنے بارے میں بات کر کے وہ روئی نہیں تھی، نہ بے بسی محسوس کی تھی بلکہ اس دفعہ ایک سکون

ملا تھا اسے۔

علیزے نے قرآن ایپ اوپن کی اور سورۃ الملک کی تلاوت لگا کر فون سائڈ پر رکھ دیا۔ آنکھیں

موندے ہوئی تھیں۔

"بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے۔" (12)

"تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔" (13)

"کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو۔" (14)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سفید پھول"

ابھی مغرب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن دور کہیں مضافات سے مغرب کی اذان کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس وقت وہ قبرستان میں ایک قبر کے قریب کھڑا تھا۔ بس تک رہا تھا۔ کچھ نہ بولا۔

پھر اسی خاموشی سے قبر کے قریب بیٹھ گیا اس طرح کہ ایک گھٹنا زمین کو چھو رہا تھا۔ آہستہ سے قبر پر ہاتھ پھیرا۔ سوکھے پتے اپنے ہاتھ سے ہٹائے۔ آس پاس کی جگہ صاف کی۔ پھر تختی (جس پر مرحوم کا نام لکھا تھا) پر ہاتھ پھیرا۔ اس پر لکھے نام کو انگلیوں کی پوروں سے چھوا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

پھر کھڑا ہوا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر پیالہ بنایا۔ اور زیر لب بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ یس کی تلاوت شروع کر دی۔ نظریں مسلسل قبر پر لکھے اس نام پر تھیں۔ شاید یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ انسان اب اس کی زندگی میں نہیں ہے۔

"لوگوں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ ہر وقت ہنستا مسکراتا شخص اندر سے ویسا نہیں ہوتا۔"

جب تلاوت کر چکا تو بس ایک جملہ بولا۔ آواز دھیمی تھی۔ اتنی دھیمی کہ بس خود کو سنائی دے۔
اب قریب میں بھی مغرب کی اذان کی آواز گونجنے لگی تھی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ نیچے جھکا
۔ سفید پھولوں کا گلدستہ اٹھا کر قبر کے اوپر رکھ دیا۔

"تم کہتے تھے سفید پھول امن کی نشانی ہیں۔ جب میں مروں تو میری قبر پر سفید پھول ہی رکھنا۔ کتنے
ظالم تھے تم۔"

اس کی آنکھوں میں گہرا کرب تھا۔

فضا میں سکوت چھا گیا۔

وہ چند لمحے اسی طرح کھڑے کھڑے قبر کو دیکھتا رہا پھر اٹے پاؤں مڑ گیا۔

قبر سے مردے کب جواب دیتے ہیں بھلا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"گفتگو"

رات کے دس بج رہے تھے اور وہ ناجانے کب سے بھائی کے انتظار میں اپنے سٹڈی ٹیبل پر بیٹھی تھی
۔ دفعتاً اسے قدموں کی چاپ اپنے قریب آتی محسوس ہوئی۔ لیکن اس نے سر نہیں اٹھایا۔ جانتی تھی
بھائی آگئے ہیں۔ شام کا کہہ کر اب آرہے تھے۔

"لگتا ہے کوئی ناراض ہے۔" وہ آکر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ہاتھوں میں کچھ تھا جسے اس نے اپنے پیچھے چھپا لیا تھا۔

"جیسے کسی کو بہت فرق پڑتا ہے۔" وہ خفیف سا بولی۔ بھائی کو ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

"پڑتا ہے نا اسی لیے رات کے اس وقت تمہاری فیورٹ آنسکریم لے کر آیا ہوں۔" پیچھے چھپایا ڈبا اس کے آگے کر دیا۔ اب کی بار زمارہ نے اسے دیکھا۔

(چاکلیٹ اینڈ ونیلا فلیور)

لیکن اس نے ایک بے نیاز سی اچھتی نظر اس ڈبے پر ڈالی اور رخ موڑ لیا۔ اسے دیکھ کر دل تو بہت لچایا تھا لیکن ناراض تھی وہ ابھی۔

"بھائی کو معاف نہیں کرو گی؟"

"بھائی کو میری معافی کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ خاموش ہو گیا۔ کافی دیر کچھ نہ بولا تو زمارہ نے اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

آہ بھائیوں کی یہ معصوم نظریں بہنوں کو پگھلا دیتی ہیں۔

"آپ ہمیشہ جلدی آنے کا کہتے ہیں اور لیٹ آتے ہیں۔ ہر دفعہ میں آپ کو معاف کر دیتی ہوں۔

لیکن اس دفعہ میں آپ کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔"

"بچے میں اپنی مرضی سے تو لیٹ نہیں آتا نا۔ کام میں پھنسا ہوتا ہوں۔ ورنہ جب بھی تم کہتی ہو تو جلدی آجاتا ہوں۔ اچھا بس اس دفعہ معاف کر دو۔ اگلی دفعہ ایسا نہیں کروں گا۔" وہ سادہ اور معذرت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"پکا؟"

"پکا" وہ خوش دلی سے مسکرا دی۔ پھر ہاتھ آگے کیا۔

"اب لائیں میری آنسکریم۔"

"اور بتاؤ تمہاری speech کا کیا بنا؟" دونوں ڈانگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ زمارہ مزے لے کر آنسکریم کھا رہی تھی اور اس کا بھائی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"وہ تو میں نے ریڈی کر لی ہے لیکن بھائی مجھے ابھی بھی ڈر لگ رہا ہے۔ اگر لوگوں نے criticize کیا تو؟"

"کبھی بھی کوئی اچھا کام کرتے ہوئے گھبراتے نہیں ہیں۔ کوئی تمہیں criticize نہیں کرے گا اور اگر کسی نے کیا تو تمہارا بھائی ہے نا۔" وہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

"ہفتے کو ہے نا تمہاری اسپیچ؟"

"جی بھائی۔"

"اور بتاؤ پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔"

"بہت اچھی۔ آپ کو پتہ ہے بھائی میں نے کل....."

وہ چمک چمک کر اپنے بھائی کو ساری روداد سنانے لگی۔ وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ سنتا رہا۔
باہر رات ہولے ہولے سرکنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بہن کی موجودگی"

"معظم اپنے فون کا چارجر دینا میرا مل نہیں رہا۔" علیزے فون میں مصروف معظم کے کمرے میں آئی۔
لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ باتھ روم کی لائٹ آن تھی۔ وہ شاید باتھ روم میں تھا۔ علیزے نے اس پاس
دیکھا۔ سامنے ٹیبل پر معظم کا فون چارجنگ پر لگا تھا۔ وہ ٹیبل تک آئی اور معظم کا فون اتار دیا۔
"اس کے آنے تک تو چارج ہو ہی جائے گا۔" پھر اپنا فون چارجنگ پر لگا دیا۔ اسی وقت معظم کے فون
کی بیپ بجی اور سکرین روشن ہوئی۔
کسی غیر شناسا نمبر سے میسج آیا تھا۔

Please reply me moazam , I am waiting

علیزے نے اچھنبے سے وہ میسج پڑھا۔

"شاید کوئی دوست ہو گا۔" اسی خیال سے وہ جانے لگی جب بیپ دوبارہ بجی۔ سکرین پھر سے روشن
ہوئی۔

"معظم تم اگنور کیوں کر رہے ہو۔ میں جواب مانگ رہی ہوں۔ ہاں یا ناں۔"

"مانگ رہی ہوں؟" اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر سکرین کو دیکھا۔ مطلب کوئی لڑکی ہے۔ اس نے ایک نظر باتھ روم کی جانب دیکھا اور ایک نظر فون کو۔ اگلے ہی لمحے اس نے فون پکڑ لیا۔ اس پر پاسورڈ لگا تھا۔ ایک پیٹرن۔ علیزے نے سکرین پر انگلیاں گھمائیں اور فون کھل گیا۔

(اتنے آسان پیٹرن میرا بھائی ہی رکھ سکتا ہے)

پھر اس نمبر کی چیٹنگ کھولی۔

بے شمار مسڈ کالز۔

آن سین میسجز۔

وڈیو کالز۔

وائس میسجز۔

علیزے نچلا لب دبائے ساری چیٹنگ پڑھتی رہی۔

اسی وقت کسی نے اس کے ہاتھ سے فون پکڑ لیا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ معظم اس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ کب باتھ روم سے آیا تھا؟ علیزے نے اس طرف دیکھا باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ لائٹ بھی اون تھی۔ مطلب وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ معظم باہر تھا۔

"کیا کر رہی ہو میرے فون کے ساتھ؟"

"پہلے یہ بتاؤ تم کیا کر رہے ہو اس لڑکی کے ساتھ؟" آنکھوں کے اشارے سے فون کی جانب اشارہ کیا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ شاید کوئی روٹنگ نمبر ہے۔" نہ وہ جھجکا، نہ شرمندہ ہوا۔ بلکہ بے نیاز سا کہہ کر فون لیے بیڈ کی طرف آ گیا۔

"دو دنوں میں 300 مسڈ کالز، 455 میسجز، وائس نوٹس..... کوئی روٹنگ نمبر سے تمہیں اتنے میسجز اور کالز کیوں کرے گا؟ اور وہ بھی ایک لڑکی۔"

"علیزے میرا مسئلہ ہے میں سنبھال لوں گا۔ تم جاؤ۔" وہ اکتایا ہوا لگتا تھا۔ ساتھ ہی اس نے یہ تیر ہواں نمبر بھی بلاک لسٹ کی نظر کیا۔

"تم مجھے بتا رہے ہو یا میں امی کے پاس جاؤں۔" معظم نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی بہن تھی۔ اسے بتا سکتا تھا۔

"میری کلاس فیلو ہے۔ پچھلے دو ہفتوں سے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ کہتی ہے بات کرو مجھ سے، میرے ساتھ رہا کرو یونی میں۔ میں کوئی اس کے باپ کا ملازم ہوں جو اس کے ساتھ ساتھ پھرتا رہوں ہر وقت۔ یا اس کا پالتو ہوں۔"

"اوہ۔ امیر لڑکیاں اور ان کے چونچلے۔"

"You got my point"

بات اب علیزے کی سمجھ میں آئی تھی۔

"تو تم اس سے بات کر کے معاملہ ختم کرو۔ ایسے تو وہ تنگ کرتی رہے گی۔" وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"رہنے دو۔ خود ہی کچھ دنوں میں بھول جائے گی۔" معظم نے جیسے ہاتھ جھٹکا

"معظم وہ کچھ دنوں میں کچھ نہیں بھولے گی بلکہ اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا دے گی۔ یہ لڑکیاں جب ایک دفعہ کسی لڑکے کے پیچھے پڑ جائیں تو انھیں اتنا زچ کرتی ہیں کہ لڑکے گھٹنے ٹیک دیں اور جو لڑکا ایسا نہ کرے تو وہ اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتی ہیں۔ پھر انہیں mentally torcher کرتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں کب کیا کر دیں انھیں خود بھی نہیں پتا ہوتا۔ تم جتنا انکور کرو گے وہ اتنا ضد میں آئے گی۔ اسی لیے بہتری اسی میں ہے کہ اس سے صاف صاف بات کرو۔ اور یہ معاملہ ختم کرو۔"

معظم نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ علیزے اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھی، پھر رکی، معظم کا لٹکا ہوا چہرہ دیکھا، پھر کچھ سوچ کے بولی۔

"ویسے میرا بھائی اتنا بھی ہینڈ سم نہیں ہے کہ لڑکیاں اس پر اس "طرح" فدا ہوں۔" اس کا انداز بے حد بے تکلفانہ تھا۔ اس نے "طرح" کو طول دیا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ ہینڈ سم ہوں تو لڑکیاں میرے پیچھے آتی ہیں۔" اس نے کالر جھٹکے۔

"ہاں اسی لیے تو پیار سے گڈو بلاتی ہیں۔" معظم گڑبڑایا۔

"خدا کا خوف کرہ علیزے۔ امی نے سن لیا تو جان سے مار دیں گی۔"

"فکر مت کرو۔ وہ تم پر مرٹنے والی تمہیں بچا لیں گی۔ کہو تو کال ملاؤں ہمنا کو۔" ساتھ نے اس نے فون کی جانب اشارہ کیا۔

"تم رکو ذرا۔" معظم اپنی جگہ سے اٹھا۔ اتنے میں علیزے "بائے بائے گڈو" کہتی بھاگ گئی۔ معظم نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

جو مسئلہ وہ اتنے دنوں سے حل نہیں کر سکا، اس کی بہن نے چند لمحوں میں حل کر دیا تھا۔ وہ لڑکی پچھلے دو ہفتوں سے اسے تنگ کر رہی تھی۔ معظم تب سے اسے اگنور کر رہا تھا لیکن اس کا جنون تو حد سے بڑھتا جا رہا تھا۔ اب علیزے کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ واقعی۔ ایک لڑکی کی mentality دوسری لڑکی ہی سمجھ سکتی ہے۔ علیزے کی موجودگی اس کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زندگی ، ہے کتنی حسین"

اگلی صبح بہت خوشگوار طلوع ہوئی تھی۔ علیزے کے لیے بھی ، معظم کے لیے بھی اور احمر خانزادہ کے لیے بھی۔

علیزے اپنے کمرے میں ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ آج اس نے پیلے رنگ کی قمیض پہنی تھی جو گھٹنوں تک آتی تھی۔ ساتھ تنگ ٹراؤزر۔ ڈوپٹہ آج اپنے مخصوص انداز میں گردن

کے گرد نہیں لپیٹا تھا بلکہ بائیں کندھے پر سلیقے سے سیٹ کیا تھا۔ بالوں کو ڈھیلی سی پونی میں باندھا تھا۔ سامنے سے دو لٹیں نکالی تھیں۔ چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ اور بوٹوکس سے پاک تھا۔ قدرتی چہرہ۔ اور اس قدرتی چہرے پر قدرتی مسکان۔ آج اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔

"اور اگر میں دوست بنانا چاہوں تو کیسے بناؤں؟"

"سب سے پہلے اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لو کہ تو دوست بناؤ گی۔ پہلے مائنڈ سیٹ بنانا پڑتا ہے۔ جب تمہارا ذہن اس چیز کے لیے تیار ہو گا پھر تم پہلا قدم اٹھا پاؤ گی۔ جب ہم کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں پھر اسے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔"

معظم ایک ستون کے ساتھ کھڑا کسی کا منتظر تھا۔ یکدم ایک لڑکی اس کے سامنے نمودار ہوئی۔ معظم نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہشاش بشاش سی لڑکی تھی۔ جینز کے ساتھ بنا آستینوں کی شارٹ پہنی تھی۔ چہرہ میک اپ میں اٹا ہوا تھا۔ بال کندھوں تک آتے تھے۔

"تو آج آپ جناب کو موقع مل گیا میری بات سننے کا۔ کتنی کالز اور میسجز کیے تھے میں نے۔ چلو اس سب کے لیے معاف کیا میں نے۔"

معظم نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میری امی نے مجھے ہمیشہ سکھایا ہے کہ بیٹا انسان کی عزت نفس اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتی ہے۔ اسے کسی کے پیروں کی دھول مت بننے دیتا۔"

لڑکی نے استہزایہ انداز میں سر جھٹکا۔

"تو تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" معظم انھی تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم کہہ رہی تھی میں نے تمہارے میسجز کا جواب نہیں دیا، کالز اٹینڈ نہیں کیں... جانتی ہو کیوں۔ کیونکہ میں اپنی عزت نفس کی حفاظت کر رہا تھا۔ میں خود کو کسی کے پیروں کی دھول بننے سے بچا رہا تھا۔"

اب کی بار اس لڑکی کی مسکراٹ اور ہشاشیت اڑن چھو ہوئی۔

"اور تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"کیونکہ میرے لیے میری سیلف ریسپیکٹ ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ میں خود کو ویلیو کرنا جانتا ہوں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔ کسی بھی تاثر کے بغیر۔

"تم چاہتی تھی میں تم سے بات کروں، یونی میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں، تاکہ ہر آتے جاتے کی نظر تم پر رہے، تم لائٹ حاصل کر سکو، سب سے اپنی بات منوا سکو۔ تم نے جھوٹی شہرت کی خاطر اپنی سیلف ریسپیکٹ کو ہرٹ کیا۔ اسے لوگوں کی نظروں میں بے وقعت کر دیا۔ اور جو انسان اپنی عزت نہیں کر سکتا، دنیا اس کی کیا عزت کرے گی۔"

لڑکی کا چہرہ مارے شرمندگی کے نچڑچکا تھا۔ حقیقت کا تھپڑ واقعی بہت زور سے لگتا ہے۔

"تم اگر اپنی سیلف ریسپیکٹ کو اپنی ضد اور انا سے اوپر رکھتی تو مجھے اچھا لگتا لیکن تم نے اسے لوگوں کے پیروں کی دھول بننے دیا۔ اور میں ایسے انسان کی عزت کبھی نہیں کر سکتا۔ جب تم خود اپنی عزت کرنا سیکھ جاؤ گی تب مجھ سے بات کرنا۔ تب میں تمہاری بات سنوں گا۔"

"تم نے مجھے بے عزت کرنے کے لیے بلایا تھا؟" اس کا چہرہ ندامت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"نہیں میں نے تمہیں سچائی کا پہلو دکھانے بلایا تھا۔ میرا کام تمہیں سمجھانا تھا۔ وہ میں نے کر دیا۔ اب یہ تم پر ہے کہ تم اسے کس معنی میں لیتی ہو۔ اور اگر تمہیں اپنی عزت نفس کا ذرا سا بھی پاس سے تو تم دوبارہ میرے پیچھے نہیں آؤ گی۔" معظم اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔ وہ آنکھیں میں آنسو اور ندامت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر چہرہ جھکا لیا۔ آنکھیں صاف کیں۔

"میری کوئی بات بری لگی ہو تو سوری۔" لڑکی کچھ بھی بولے بغیر اسی طرح چہرہ جھکائے وہاں سے چلی گئی۔

تو ثابت ہوا ندامت کبھی بھی آپ کو دوسروں کے سامنے چہرہ اٹھانے نہیں دیتی۔ اور اپنی عزت نفس کی حفاظت آپ کو کسی کے سامنے چہرہ جھکانے نہیں دیکھتی۔

("ٹھیک ہے میں نے مائنڈ سیٹ بنا لیا۔ اس کے بعد کیا کروں؟")

("اس کے بعد تم مختلف لوگوں سے ملو گی۔ ان سے جان پہچان بڑھاؤ گی۔ کچھ ان کی سنو گی، کچھ اپنی سناؤ گی۔ کچھ ان کی مانو گی، کچھ اپنی منواؤ گی۔ کیونکہ اپنی بات منوانے کے لیے سامنے والے کی بات ماننی پڑتی ہے۔ اور ضروری نہیں ہے کہ وہ تمہاری کلاس فیلوز ہی ہوں۔ وہ کوئی سینئر بھی ہو سکتی ہے، جونیئر بھی۔ یاد رکھنا دوستی میں کبھی age limit نہیں دیکھی جاتی۔ یہ تو دل سے بننے والا رشتہ ہے اور دل کو mathematics کے فارمولے حل کرنے نہیں آتے۔" وہ دونوں یونی میں تھے۔ احمر اسے سمجھا رہا تھا۔ "یہاں کسی بھی گروپ کے ساتھ جا کر بیٹھ جاؤ۔ کسی سے بھی بات کرو۔ کوئی

تمہیں نہیں روکے گا۔ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا کہ تم کون ہو، یہاں کیوں آئی ہو۔ کوئی تمہیں واپسی کا راستہ نہیں دکھائے گا۔ سب وارم ویلکم کریں گے۔"

علیزے گراؤنڈ میں اپنی دونوں دوستوں کے ساتھ تھی۔ تینوں کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ اور اسے انجوائے بھی کر رہے تھے۔ پاس ہی ایک شیڈ میں ایک گروپ بیٹھا تھا۔ وہ گیم کھیل رہے تھے۔ علیزے انہیں دیکھ کر مسکرائی۔ پھر اسی طرف بڑھ گئی۔ ان کے قریب پہنچی تو ان کے قہقہے واضح سنائی دیے۔ علیزے کو اپنے قریب آتا دیکھ وہ خاموش ہو گئیں۔ یہ اسی کی کلاس فیلوز تھیں۔ علیزے کو لگا اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس نے ایک قدم آہستہ سے پیچھے بڑھایا۔ اسی وقت لڑکیوں نے اپنے درمیان جگہ بنائی اور اسے بیٹھنے کو کہا۔ علیزے کھل کے مسکرائی اور ان کے درمیان بیٹھ گئی۔ لڑکیوں نے فلک اور اریبہ کو بھی بلا لیا۔ سب مل کر چہ میگوئیاں کرنے لگیں۔ سب اپنی اپنی طرف کی کہانیاں بتا رہی تھیں۔ یونی کا پہلا دن کیسا گزرا تھا، کس نے کس کے ساتھ پریک کیا تھا، کس کی ریلنگ ہوئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ علیزے نے بھی اپنی طرف کی کہانی سنائی۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ وہ خوش تھی۔

احمر کا اتفاقاً اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے علیزے کو بھرے مجمعے میں دیکھا تو ذرا حیران ہوا۔ پھر رک کر اسے دیکھے گیا۔ وہ ہنس رہی تھی، مسکرا رہی تھی، میل جول بڑھا رہی تھی۔ وہ اپنے خول سے باہر آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ بھی مسکرایا۔ پھر بیگ سے ایک نوٹ پیڈ نکالا اور پین سے کچھ لکھا۔ پھر وہیں آس پاس گھومنے لگا۔

"جب کسی کو پریشان دیکھو تو اس سے بات کرو اس سے مسئلہ پوچھو۔ اسے اعتماد میں لو۔ اسے دلاسا دو۔ اسے سمجھاؤ۔ اگر وہ انسان تم پر اعتبار کر کے اپنا مسئلہ شیئر کر رہا ہے تو اسے اچھی طرح کنسول کرو کیونکہ انسان اپنا دکھ ہلکا کرنے کے لیے ہی اسے دوسروں سے شیئر کرتا ہے۔ اگر وہ اپنا مسئلہ نہیں بتانا چاہتا تو فورس مت کرو بس اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ، کچھ وقت گزارو۔ اس کا موڈ ٹھیک کرو۔ یہاں وہاں کی باتیں کرو۔ اس کا دل لگا رہے گا۔ دوسروں کی خوشی میں خوش رہو اور ان کے غم میں ان کی غم گسار بنو۔"

علیزے لائبریری میں بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک لڑکی بیٹھی رو رہی تھی۔ خاموشی سے۔ علیزے نے اسے دیکھا۔ اسے برا لگا۔ وہ کتاب وہیں رکھ کر اس کی طرف آئی۔ اسے پانی دیا۔ لڑکی نے خاموشی سے پانی پی لیا۔

"رونا ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ یہ آپ کو حالات کے سامنے کھڑا ہونے سے روکتے ہیں۔ آپ کے قدم زنجیر کرتے ہیں۔ آپ کیوں خود کو اس طرح ہلکان کر رہی ہیں۔"

"بعض اوقات چیزیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ ایسے میں کسے حالات کا مقابلہ کروں۔"

"چیزیں اور حالات کبھی بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے۔ برے حالات میں ہمارا رویہ ہمیں کامیابی دلاتا ہے۔ اگر ہمارا رویہ مثبت ہے تو چیزیں خود بخود ہمارے حق میں آ جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہمارا رویہ منفی ہے تو ہر چیز repel ہو گی۔ اور حالات ہمارے فیور میں نہیں آئیں گے کبھی۔ کیا آپ ایسا چاہتی ہیں؟" لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو خود کو مت تھکائیں۔ جو جیسا چل رہا ہے اسے چلنے دیں۔ حالات کا مقابلہ کریں۔ انہیں اپنے حق میں آنے کر لیے ٹائم دیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" لڑکی خوش دلی سے مسکرائی۔ وہ علیزے کی ممنون تھی۔ علیزے اٹھ کر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ تھی۔

احمر اس کے سامنے کھڑا پھر سے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ علیزے نے اسے دیکھا تو احمر نے اشارے سے اسے داد دی اور ہاتھ بلند کر کے بنا آواز کے تالی بجائی۔ علیزے نے نزاکت سے کندھے آچکا دیے۔

(جب بھی کوئی competition ہو تو اس میں حصہ لو، کوئی quiz ہو تو اس میں حصہ لو، کوئی سوشل روک ہو تو اس میں contribute کرو۔ اس طرح تمہیں مختلف لوگوں سے interaction کرنے کا موقع ملے گا۔ تم ان سے بہت کچھ سیکھو گی۔ سب سے دوستی نہ بھی ہو تو جان پہچان تو ہو گی نا۔ تم انہیں جانتی ہو گی وہ تمہیں جانتے ہوں گے۔ جب کبھی محفل میں تمہارے نام کا ذکر ہو گا تو چار پانچ لوگ تمہیں جانتے ہوں گے۔ وہ تمہارے behalf میں بولیں گے۔ جب کبھی راستے میں وہ تمہیں ملیں گے تو تمہیں دکھ کر راستہ نہیں بدل لیں گے یا اگنور کر کے آگے نہیں بڑھ جائیں گے۔ بلکہ خود رک کر بات کریں گے۔)

علیزے مال میں شاپنگ کرنے گئی تھی۔ ساتھ فلک تھی۔ دونوں مختلف برینڈز میں گھوم رہے تھے لیکن کوئی سوٹ پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔

"علیزے؟" کسی لڑکے نے اسے پیچھے سے پکارا۔ دونوں ایک ساتھ مڑیں۔

وہ اس کا ایک سینئر تھا۔

"حاشر بھائی؟"

"آپ دونوں غالباً شاپنگ کر رہی ہیں۔"

"جی۔"

"یہ میرے دوست کا بوتیک ہے۔ اگر میری کوئی ہیلپ چاہیے ہو تو بتائیں۔"

"ہاں چاہیے نا۔ ہم سے ڈریسز سیلیکٹ نہیں ہو رہے۔" علیزے نے تو منع کرنا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے ہی فلک بول اٹھی۔

"آپ دونوں آئیں میرے ساتھ۔" دونوں ساتھ چل پڑیں۔

"کیا ضرورت تھی ہامی بھرنے کے۔"

"ارے یار سینئر ہے۔ فیور دے رہا ہے تو لینے میں کیا حرج ہے۔ آخر انسان تعلقات کیوں بناتا تھا۔ اسی دن کے لیے۔ اب چپ چاپ چلو۔ شاید کوئی ڈسکاؤنٹ ہی کر دے۔"

"ہاں تمہارے ماموں کا بیٹا ہے نا جو ڈسکاؤنٹ کرے گا۔"

حاشر انھیں مینیجر (اپنے دوست) کے پاس لے کر گیا۔

"یہ دونوں میری مہمان ہیں۔ انھیں اچھی سی کو لیکشن دکھائیں۔ اور خاص خیال رکھنا ان کا۔" مینیجر نے تائید سے سر ہلا دیا۔ پھر دو تین سیلز مین کو بلایا۔

"میڈم کو لے جاؤ اور جو نئی کولیکشن آئی ہے اس میں سے اچھے اچھے ڈریز دکھاؤ۔"

"حاشر بھائی تھینک یو سو مچ۔"

"نو نو آئی ٹوٹلی اوکے۔ یو گائز انجوائے۔ میں چلوں گا اب۔" پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

"یارر اس نے تو بہت اچھا ڈسکاؤنٹ دلوا دیا ہے۔" شاپنگ کرنے کے بعد وہ دونوں فوڈ کارٹ جا رہی تھیں جب فلک نے سلپ دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے اتنی شرمندگی ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہے ہوں گے۔"

"تم خامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ وہ دو تین دن میں بھول بھی جائے گا۔"

"بڑے ہیں ہم سے، تمیز سے نام لو....." وہ دونوں دور جاتی جا رہی تھیں اور ان کی آوازیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔

(تمہیں اپنی پہچان خود بنانی ہے۔ کسی سے امپریس ہو کر اس جیسا بننے کی کوشش نہیں کرنی۔ یہاں کوئی بھی فرشتہ صفت انسان نہیں ہے۔ سب میں برائیاں ہیں۔ وہ تمہیں اپنی طرف مائل کریں گی لیکن تم نے خود کو روکنا ہے۔ ان جیسا نہیں بننا۔ اپنے نفس پر قابو رکھنا ہے۔ ایسے ہی تم یہاں کسی پر مکمل بھروسہ نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اپنے اور لوگوں کے درمیان ہمیشہ healthy boundaries بنا کے رکھنا اور کسی کو بھی وہ باؤنڈریز کراس کرنے مت دینا۔)

علیزے سپورٹس گراؤنڈ میں موجود تھی۔ وہ کسی کے ساتھ باسکٹ بال کھیل رہی تھی۔ اسی وقت حمزہ وہاں آیا۔ اس نے عادت سے مجبور ہو کر بال پھر سے اس لڑکی کی ہاتھوں سے لے لی۔ علیزے

نے صبر کے گھونٹ بھرے۔ ایسے ہے تو ایسے ہی سہی۔ اس نے بھی کھیلنا جاری رکھا اور آخر میں اتنی بری طرح اسے ہرایا کہ وہ چپ چاپ سرخ چہرہ لیے اپنے قدموں پر واپس مڑ گیا۔

(خود کو آزاد چھوڑ دو۔ فضا میں پر پھیلا کر اڑنا سیکھو۔ ننھے پرندوں کی طرح پر سمیٹ کر گھونسلے میں مت بیٹھی رہو۔ اپنی پرواز اونچی رکھو۔ اس طرح تم خود کو بھی explore کرو گی۔ تم جانو گی کہ تمہیں کس چیز کی کب ضرورت ہے، کس سچویشن میں کیساری ایکٹ کرنا ہے، کس بات کا جواب کس طرح سے دینا ہے، معاملات کو کیسے حل کرنا ہے۔ لوگ تمہیں فیورز دینے کے لیے تیار رہیں گے۔ اور اس طرح تمہیں دوست ملیں گے۔)

علیزے کسی گروپ کے ساتھ مل کر کام کر رہی تھی۔ سوشل ورک۔ اسی دوران اس کی کسی سے بحث ہو گئی۔ احمر قریب آیا تا کہ معافی ہینڈل کر سکے لیکن پھر رک گیا۔ علیزے کو یہ معاملہ خود ہینڈل کرنا چاہیے۔

اور علیزے اس کی امیدوں پر پورا اتری تھی۔ اس نے بہت احسن طریقے سے، کسی بھی بد مزگی کے معافی حل کر لیا۔

احمر نے وہ سامنے ٹوٹا اسے دیکھائے جو اس نے مختلف وقتوں میں رکھی تھے۔ وہ علیزے کی پروگریس تھی۔ کس طرح اس نے خود کو آزاد چھوڑا تھا۔

آج بہت دنوں کے بعد علیزے اتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ بہت دنوں بعد آزاد محسوس کر رہی تھی۔

زندگی اچانک سے کتنی حسین بن گئی تھی۔

اس کے اللہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔



"مستی اور شرارت"

رات کا ایک بج رہا تھا۔ اسلام آباد کے اس پوش علاقے کے سارے گھروں کے مکین خوابِ غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ ہر طرف سکوت تھا۔

ہر گھر کی لائٹس بند تھیں سوائے ایک گھر کے۔

خاموشی سے اس گھر کے اندر آؤ تو ٹی وی لائونج میں لگی بڑی سکرین اس وقت روشن تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر دو ذی روح بیٹھے تھے جن کے ہیولے سامنے کی دیوار پر پڑ رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پاپ کارن کا باؤل تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں lays کا پیکٹ۔ دونوں بہت انہماک سے سکرین پر چلتی سیریز کو دیکھ رہے تھے۔

معظم نے سکرین کو دیکھتے ہوئے علیزے کے ہاتھ میں پکڑے باؤل میں سے مٹھی پھر پاپ کارن نکالے اور آہستہ آہستہ اپنے اندر اتارنے لگا۔

علیزے پوری کی پوری سین میں گھس چکی تھی۔ اسے اپنے آس پاس کسی چیز کی ہوش نہیں تھی۔

"کیا وہ اسے مار دے گا؟" معظم نے علیزے سے پوچھا۔

"وہ مارنے کے ارادے سے ہی آیا ہے۔" علیزے نے دل گرفتگی سے کہا۔

سکرین پر چلنے والا منظر کچھ یوں تھا:

ایک لڑکی اندھیرے میں ٹارچ لے کر آگے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ہی کسی کو آوازیں بھی دے رہی تھی۔ اسی وقت دیوار پر ایک سایہ لہرایا۔ وہ ڈر کے پیچھے ہٹی۔ کسی کو مسلسل آوازیں دے رہی تھی۔ وہ ڈرتی ڈرتی آگے بڑھی۔ بجلی کی سی تیزی سے کوئی چیز سامنے سے آئی اور اس کو گلے سے دبوچ لیا۔ اس نے چیخ ماری۔

اسی وقت معظم کو اپنے پاؤں پر کچھ محسوس ہوا۔ اس نے نیچے دیکھا تو ایک سیاہ چیز اس کے پاؤں کے گرد تھی۔ اس نے ڈر کر چیخ مار دی۔ اس کی دیکھا دیکھی علیزے نے بھی چیخ مار دی اور دونوں نے پاؤں صوفے کر اوپر کر لیے۔ علیزے نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور معظم کو بازہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

"پاگل ہو۔ امی نے ہماری چیخیں سن لیں تو ساری رات گھر کر باہر گزارنی پڑے گی۔"

"علیزے یہاں کوئی ہے۔ کوئی سایہ ہے۔"

"کک.. کوئی سایہ نہیں ہے۔ کہاں ہے ہاں بتاؤ۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"وہ نیچے۔" معظم نے کچھوے کی طرح ڈر ڈر کے گردن آگے کیا اور ہاتھ سے صوفے کے نیچے اشارہ کیا۔ علیزے نے نیچے دیکھا۔ اور پھر اس کا دل کیا معظم کو یہیں سے دھکا دے کر باہر پھینک دے۔

"عقل کے دشمن وہ کوئی سایہ نہیں ہے بلکہ (جھک کر اپنا دوپٹہ اٹھایا) میرا ڈوپٹہ ہے۔" اور ڈوپٹہ اس کے سامنے کیا۔

"تو تم بھی اپنی مادرِ ملت کی چادر سنبھال کر رکھا کرو۔ جگہ جگہ پڑی ہوتی ہے۔"

"سارا مزہ خراب کر دیا سین کا۔" ان کی اسی ڈرپوکی میں سین ختم ہو چکا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو۔"

"سیریز تو ختم ہو گئی ہے۔ ظاہر ہے سونے جا رہی ہوں۔"

"میری نیند خراب کر کے تم سونے نہیں جاسکتی۔"

"اخروٹ کہیں کسی گلہری نے تمہارے سر پر واقعی اخروٹ تو نہیں پھینکے۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تم ہی نے کہا تھا horror series دیکھنی ہے۔ تمہاری وجہ سے میری نیند خراب ہوئی ہے۔ الٹا تم مجھے الزام دے رہے ہو۔ اب میں سونے جا رہی ہوں تم بھی جاؤ۔"

"ارے مجھے بھوک لگی ہے۔"

"یہ سب کھانے کے بعد بھی تم میں اور کھانے کی گنجائش ہے؟" علیزے نے حیرت سے اسے اور

آس پاس پڑے ریپرز کو دیکھا۔

"سنیکس سے پیٹ تھوڑی بھرتا ہے اور مجھے پتہ ہے تمہیں بھی بھوک لگی ہے۔" ساتھ ہی کھسیانی ہنسی ہنسا۔

"بہت ہی کوئی وہ ہو تم۔ چلو میرے ساتھ کچن میں۔ لیکن پہلے یہ سامان سمیٹو۔ جج صاحبہ نے دیکھ لیا تو رات کے اس وقت ہی عدالت لگا لیں گی۔" علیزے نے بدوقت مسکراہٹ دبائی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں کچن میں موجود تھے۔ علیزے آہستہ پین نکال رہی تھی۔

"کیا کھاؤ گے؟ پاستا؟"

"امم... نہیں پاستا نہیں ایسا کرو نوڈلز بنا لو۔ پاستا تو صبح تک ہضم ہی نہیں ہو گا۔" علیزے نے تکیھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"صاف صاف بولو نا کہ تمہاری نظر ہے میرے نوڈلز پر۔" معظم ڈھٹائی سے مسکرایا۔

علیزے نے پین میں پانی ڈالا اور اسے درمیانی فلیم پر رکھ دیا۔

"ارے روک روک.... پہلے پوچھ تو لو کس طرح کے نوڈلز کھانے ہیں۔"

"اچھا جی.. "علیزے نے ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر، ایک آبرو آچکا کر کہا۔ معظم نے فراغت سے ہاں میں سر ہلایا۔

"سو مسٹر اخروٹ، آپ کس طرح کے نوڈلز کھانا چاہیں گے؟" پھر اس نے دو تین نام انگلیوں پر گنوائے۔

"Spicy fire noodles"

Ramen recipe

Spicy chili garlic noodles”

معظم نے کسی نخریلے امیر کی طرح سوچنے کی اداکاری کی اور بڑی ہی نزاکت سے جواب دیا۔

"تیسری آپشن بیسٹ ہے۔"

"جو حکم سر۔" علیزے نے جھک کر تعظیم پیش کی اور ابلتے پانی میں ramen ڈالا۔

"ویسے تم باہر سے بھی آرڈر کر سکتے تھے۔"

"تم نے تو پیسے نکالنے نہیں تھے۔ میں کیوں اپنے پیسے ضائع کرتا۔"

"بہت ہی کنجوس واقع ہوئے ہو۔"

"اچھا باتیں کم کرو اور ہاتھ چلاؤ جلدی۔ مجھے ایک کال کرنی ہے۔" وہ دروازے پر بھی نظر رکھ رہا تھا۔
کہیں امی ہی نہ آجائیں۔

"کال کرنی ہے۔ اب کون سی مچھلی جال میں پھنسا لی ہے۔ ویسے شرم نہیں آتی تمہیں۔ کتنا تڑپاتے ہوں
اب بن آب کی مچھلیوں کو۔" اس نے ایک پین میں تھوڑا سا تیل ڈالا۔ اسے گرم ہونے دیا۔ پھر سبزی
کاٹ کر اس میں ڈالی۔ سرخ مرچ پاؤڈر ڈالا اور اسے پکایا۔

"اب ہینڈ سم ہی اتنا ہوں۔ لڑکیاں رشک کرتی ہیں تو اس میں میرا کیا قصور۔" وہ کچن کاؤنٹر کے ساتھ
رکھے سٹول پر بیٹھا تھا۔

"ویسے معظم ان کی چوائس تو بہت ہی خراب ہے پلیز تم اپنی چوائس ایسی مت رکھنا۔" علیزے نے کہتے ساتھ ہی قہقہہ لگایا۔

"ویری فنی۔ اب ایسی بھی بات نہیں کہ ساری ہی ایک جیسی ہیں۔ کچھ خوبصورت بھی ہیں ان میں۔ دکھاؤں؟" کہتے ساتھ ہی اس نے فون نکالا۔ علیزے منہ کھولے اس کی حرکت دیکھ رہی تھی۔

"استغفر اللہ۔ معظم۔ اب تم مجھے غیر عورتوں کے بارے میں بتاؤ گے۔" سب کچھ تیار تھا۔ بس ramen کو سوس میں ڈالنا تھا۔ پھر کچھ دیر اسے پکنے دیا۔ آخر میں اس کی garnishing کر دی۔ نوڈلز تیار تھے۔

"اللہ اللہ۔ یہ مشرقی بہنیں۔"

"اللہ اللہ۔" اسی کے انداز میں بولی۔ "بڑے آئے تم جہان سکندر۔ ہونہہ۔" اس نے کچھ کاؤنٹر ویسے ہی پڑا رہنے دیا۔ دو باؤلز میں نوڈلز ڈالے اور وہیں معظم کے ساتھ بیٹھ گئی۔ گرم گرم نوڈلز سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"یہ دیکھو یہ رانیہ ہے۔ سارے لڑکے اس سے بات کرنے کے لیے اس کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں۔ لیکن مجال ہو جو وہ انھیں گھاس بھی ڈالے۔" علیزے ہنستے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"یہ جبہ year 4th کی ہے۔ یونی کی ٹام موسٹ اسٹوڈنٹس میں سے ایک۔"

"یہ مناہل ہے۔ اپنی بوٹوکس اور سر جریز کی وجہ سے ساری یونی میں مشہور۔" معظم کھاتے کھاتے اسے تصاویر دکھا رہا تھا۔ ساتھ ان کے کسی انداز کی نقل بھی اتار رہا تھا۔ علیزے ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"اور یہ عقیفہ ہے۔ سب سے اچھی اور سب سے پیاری سینئر۔ میرے بہت کام آتی ہے۔" معظم مسکرا رہا تھا۔ علیزے نے بغور اسے دیکھا تھا۔ پھر زور سے جوتا اس کے پاؤں پر در مارا۔ معظم کی چیخ نکل گئی۔

"پاگل ہو۔ مارا کیوں۔"

"کیسے بے شرمیوں کی طرح اپنی بہن کے سامنے دوسری لڑکیوں کا نام لے رہے ہو۔"

"میں تو صرف بتا رہا تھا کہ خوبصورت لڑکیاں بھی ہیں لیکن میں انہیں لفٹ نہیں کرواتا۔"

"کوئی تمہیں کروائے گا بھی نہیں۔"

"میری چھوڑو اپنی فکر کرو۔ تم جتنی پھوہڑ ہو تمہیں کون لے کر جائے گا۔ دیکھو کچن کا حال کیا کیا ہے۔"

دونوں اسی طرح بحث کر رہے تھے جب دروازے پر کوئی نمودار ہوا۔

"اس وقت کچن میں کیا کر رہے ہو تم دونوں؟" امی کی آواز پر دونوں کی چلتی زبانوں کو تالے لگ گئے۔ ایک ساتھ دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ تب تک وہ نوڈلز ختم کر چکے تھے۔

"علیزے بتاؤ۔ اتنے ناولز پڑتی ہو کوئی تو کہانی گڑو۔" معظم دانت پر دانت جما کر بولا۔

"آ... امی وہ میں نے تہجد پڑھنی تھی۔ اور آپ نے ہی کیا تھا کہ بھوکے پیٹ نماز نہیں ہوئی تو میں بس کچھ کھانے آئی تھی۔ معظم بھی اٹھ گیا تو اس کے لیے بھی بنا دیا۔" ساتھ ایک چور نظر بکھرے کاؤنٹر پر ڈالی۔

اور دم دبا کر بھاگ گئی۔ امی اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ معظم نے بھی وہاں سے کھسکنا چاہا۔
 "تمہیں تہجد معاف ہے؟" امی کی آواز پر رک کر انھیں دیکھا۔ اور دائیں بائیں سر ہلایا۔
 "نہیں نہیں میں بھی پڑھنے جا رہا ہوں۔" اور شرٹ کی آستینیں فولڈ کرتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔ یہ تو طہ تھا کہ اب وہ تہجد پڑھ کر ہی سوئے گا۔
 ثریا بیگم نے کاؤنٹر کو دیکھا۔ اب یہ سارا بکھیرا انھیں سمیٹنا تھا۔
 ان کی تو صبح کلاس لیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ایک نیا سویرا"

رات کے بعد کا سویرا جہاں بہت سوں کے لیے خوشی کی نوید لاتا ہے وہیں بہت سوں کے لیے اُمید کی جلتی کرن بجھا دیتا ہے۔

فجر کو قضا ہوئے کئی ساعتیں گزر چکی تھیں۔ صبح ابھی تازہ تھی اور سفیدی سنہرے پن میں نہیں بدلی تھی۔

پرندے پر امید اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل پڑے تھے۔ زی روح اپنے نئے دن کی شروعات کر چکے تھے۔

سبزے سے گھرے گھر میں اس وقت معمول کی خاموشی تھی۔ سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی صبح سویرے اٹھ کر تیار ہو چکی تھی۔ آج اس کے لیے بڑا دن تھا۔

بالوں کو اونچی پونی میں باندھے ، نفاست سے یونیفارم میں ملبوس وہ کچھ نروس سی تھی۔

باہر امی اور بھائی کھڑے تھے۔ بھائی نے اس کے سر پر پیار دیا۔ امی نے ماتھا چوما۔ اور دعاؤں کے سائے تلے روشن کیا۔

آج اس کی پہلی اسپیش تھی اور اسے یہ جیتی تھی۔

اسے بہت سوں کی mentality بدلنی تھی۔

ان کا نظریہ بدلنا تھا۔

ہال کے باہر پہنچ کر اس نے بھائی کو دیکھا۔ اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کیں اور ایک گہری سانس اندر کھینچی پھر باہر نکالی۔ اور آنکھیں کھول لیں۔

یہ جیسے اسے اشارہ تھا کہ "گھبرانا نہیں۔ سب ٹھیک ہو گا" بھائی نے کہا تھا تو سب ٹھیک ہی ہو گا۔

نہیں بھی ہوا تو بھائی ہے نا۔

زمارہ مسکرائی اور آگے بڑھ گئی۔



علیزے اپنی امی کے قریب زمین پر بیٹھی اپنے بال بنوا رہی تھی۔ چائے کا گاکپ ساتھ ہی رکھا تھا۔ معظم نے آکر کپ کو تھامنا چاہا لیکن علیزے نے پکڑ لیا۔

"یہ چائے کا کپ میں نے اپنے لیے بنایا ہے۔ تم اپنے لیے اور بنا لو۔ کام چور کہیں کے۔"

"کتنی بھوکی ہو تم۔ اپنے لیے اور بنا لینا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" معظم نے پھر سے پکڑنے کی کوشش کی لیکن علیزے نے کپ لبوں سے لگا لیا۔ اور فراغت سے یہاں وہاں دیکھا۔

"سوری۔" اور بیگانگی سے کندھے آچکا دیے۔

معظم کلستا رہ گیا۔

"کیوں تنگ کرتی ہو۔ بھائی ہے تمہارا۔ تم ایسے کرو گی تو کسی مناہل یا عقیفہ کو تمہارے سامنے لے آئے گا۔"

امی کی بات سن کر جہاں علیزے کی ہنسی چھوٹ گئی وہیں معظم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ام ... امی وہ تو میں مذاق کر رہا تھا بس۔" پھر شرمندگی چھپانے کے لیے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور فون کال کا بہانہ بنا کر وہاں سے کھسک گیا۔

علیزے فریج چوٹی بنوا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ بیڈ پر پڑا اجرک اٹھایا اور سر پر سیٹ کیا۔ سیاہ سوٹ پر اجرک بہت پرکشش لگ رہا تھا۔

اس نے عام دنوں کی نسبت سادہ سا سوٹ پہنا تھا کیوں کہ جس علاقے میں وہ لوگ جارہے تھے وہ ایک متوسط طبقہ تھا اور ان سے ملنے کے لئے ان کے برابر کا دکھنا ضروری تھا تا کہ وہ کسی بھی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔

پھر الماری کی طرف بڑھی اور وہ بیگ نکالا جو احمر نے اسے دلایا تھا۔ اس میں چیزیں ڈالیں اور بیگ کندھے پر ڈال لیا۔

ایک نظر خود پر ڈالی۔ اب وہ تیار تھی۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باقی امیدواروں کی طرح وہ بھی ہال میں سب سے فرنٹ سیٹس پر بیٹھی تھی۔ ابھی اس کی باری نہیں آئی تھی۔ وہ مسلسل ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے رگڑ رہی تھی۔ آج اس کی پہلی تقریر تھی اور وہ سب کے سامنے confident رہنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(احمریونی میں سارے انتظامات دیکھ رہا تھا۔ ساتھ عملے کو ہدایات بھی دے رہا تھا۔ جب لوگوں نے ساتھ جانا تھا وہ بھی وہیں موجود تھے ان میں علیزے بھی تھی۔ وہ غور سے احمر کی باتیں ذہن نشین کر رہی تھی۔

آج احمر نے شرٹ کے اوپر جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ بلکہ شرٹ کے آستین اوپر کو فولڈ کر رکھے تھے۔ وہ جیسے بہت مصروف دکھائی دے رہا تھا۔

پھر سب بس میں سوار ہونے لگے۔ احمر نے علیزے کا بیگ دیکھا۔ وہ مسکرایا۔ اس کی یہ مسکراہٹ گہری تھی۔)



اب کی بار اس کا نام پکارا گیا۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ چلتی ہوئی اسٹیج تک آئی۔ روسٹم پر کھڑے ہو کر مائیک کو اپنے قریب کیا۔ اپنے سامنے بیٹھی منتظر عوام کو دیکھا پھر آنکھیں بند کیں۔ "جن کے ساتھ اللہ ہوتا ہے انھیں کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسٹیج پر پہنچ کر اللہ کا نام لینا اور شروع ہو جانا۔" بھائی کے الفاظ کانوں میں گونجنے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

(میں پناہی مانگی ہوں اللہ کی شیطان مردود سے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان ، نہایت رحم والا ہے)

آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ پھر مجھے کو ایک نظر پھر دیکھا۔ اور پھر نظریں اوپر کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز کر لیں۔

(بسم اللہ پڑھ کر تم نے آنکھیں کھولنی ہیں اور اوپر دیکھنا ہے۔ تم لوگوں کو دیکھ کر پزل ہو جاؤ گی۔ اسی لیے اوپر نظریں کر لے "الم نشرح" پڑھو گی۔ پھر انھیں دیکھ کر تقریر کرو گی۔)

(پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے)

بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے)

زیر لب سورۃ الشرح کی آیات پڑھیں پھر ہجوم کو دیکھا۔

اب وہ تیار تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(علیزے اس وقت بس میں سوار تھی۔ احمر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ اسے کچھ سمجھا رہا

تھا۔ وہ ہاں میں سر ہلاتی جا رہی تھی۔ پھر وہ اٹھا اور سب کو ایک بار پھر سے سب کچھ سمجھایا۔

ساتھ ساتھ وہ کچھ نوٹس بھی بنا رہا تھا۔ پھر واپس سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

علیزے نے جوس کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔ احمر نے پہلے جوس کو دیکھا پھر اسے۔

وہ صبح سے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر سارے کام کر رہا تھا۔ کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ انرجی لیول بالکل

ڈاؤن تھا۔

"کام کرنے کے لیے انرجی کا ہونا ضروری ہے۔ کچھ لے لو ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔" احمر

دل سے مسکرایا اور جوس پکڑ لیا۔

کیا علیزے نے اسے دوست ماننا شروع کر لیا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا

صدرِ عالی وقار!

میرا آج کا موضوع گفتگو ہے ، میرے ملک کا متوسط طبقہ۔

"آج سے پہلے کتنے ایسے طالب علم ہوں گے جو میری جگہ کھڑے ہوئی ہوں گے اور لمبی لمبی تقریریں کی ہوں گی۔ ان کے لیے تو آسان تھا۔ انھیں ایک ٹاپک دیا جاتا تھا اور اس ٹاپک پر لکھے چند جملے جسے بول کر انھیں تقریر کرنی ہوتی تھی۔ لیکن میں شکر گزار ہوں اپنے معزز پرنسپل پروفیسر مجیب کی جنھوں نے مجھے موقع دیا کہ میں اپنی مرضی سی موضوع کا انتخاب کروں اور اس پر خود سے لکھوں۔ اور مجھے فخر ہے اپنے اس چناؤ پر۔

میں یہاں آپ سب سے مخاطب ہوں اس لیے نہیں کہ مجھے تعظیم چاہیے بلکہ اس لیے کہ میری تقریر کے آخر تک میں آپ سب کے دلوں میں یہ احساس جگا سکوں کہ اس ملک کا متوسط طبقہ بھی ہماری طرح ہر قسم کی آرائش و آرام کا حقدار ہے۔"

وہ ہموار لہجے میں تقریر کر رہی تھی۔ آواز بہت اونچی نہیں تھی۔ لیکن ڈر، خوف، بے چینی.. سب کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اب اس کے بولنے کا وقت تھا اور جب وہ بولے گی تو سب سنیں گے۔

"یہ موضوع لکھتے وقت میرے پاس چوائس تھی کہ میں بے روزگاری پر بولوں، لوڈ شیڈنگ پر لکھوں یا مہنگائی پر نکتہ چینی کروں لیکن ان سب کے لیے تو ہمارا سوشل میڈیا نیٹ ورکنگ سسٹم پہلے سے

ہی موجود ہے تو میں کیوں نا ان بے زبان لوگوں کی آواز بن کر بولوں جن کے پاس زبان تو ہے مگر انھیں بولنے کے لئے کبھی اختیار دیا ہی نہیں گیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟"

آخر میں اس نے با آواز بلند، غصے سے پوچھا۔ ماتھے پر سلوٹیں واضح تھیں۔

وہ بولنے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت دے رہی تھی جس سے اس کی تقریر میں جان پیدا ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے والے شور نما ماحول میں اب سکوت طاری تھا۔ شائقین غور سے اسے سن رہے تھے۔



بس ایک پستی حال علاقے میں آکر رک گئی۔ سب لوگ بس سے نیچے اترے۔ جو سامان وہ ساتھ لائے تھے اسے ایک جگہ رکھا گیا۔

یہ ایک پسماندہ علاقہ تھا۔ یہاں کے لوگ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ گھر برائے نام تھے۔ لوگ ٹینٹ لگا کر گزارا کرتے تھے۔ کہیں کہیں جھونپڑیاں بنی تھیں۔ لوگ آس پاس چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ عورتوں چولہوں پر روٹیاں بنا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پسینے سے تر تھے۔ بچے آس پاس کھیلتے نظر آ رہے تھے۔ ان کی ظاہری حالت قابلِ رحم تھی۔

بوڑھی خواتین چارپائیاں جوڑ کر بیٹھی ہاتھ سے پنکھا جھلا رہی تھیں۔

علیزے کا دل ڈوب ڈوب جا رہا تھا۔ یہ منظر اس کے لیے نیا تھا۔

وہ تھیر سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

اس نے اس سے پہلے ان لوگوں کو کیوں نہیں دیکھا تھا۔

کیوں ان کے حال پر غور نہیں کیا تھا۔

یہی لوگ جب سڑکوں پر کچھ بیچتے نظر آتے تھے تو کیوں انہیں نظر انداز کر دیا۔

کیوں ان کے بارے میں ایک بار بھی نہیں سوچا کہ انہیں بھی ہماری طرح زندگی جینے کا پورا حق ہے۔

☆☆☆☆☆☆

"صبح صبح جب لوگ ناشتہ کر کے اپنی اپنی گاڑیوں میں گھروں سے نکلتے ہیں تو یہ لوگ اپنے گھروں سے روزی کی تلاش میں پیدل نکلتے ہیں۔ تیز چبھتی دھوپ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اگر ہمیں دو منٹ بھی گرمی میں رہنا پڑے تو ہمارا سانس اکھڑنے لگتا ہے۔ اتنے نازک مزاج ہیں ہم؟ ہمارے پاس تو گاڑیاں ہیں، عیش و آرام والی زندگی ہے، سب سہولیات ہیں لیکن کیا ان لوگوں کے بارے میں کبھی سوچا ہے کہ وہ اپنا گزر بسر کیسے کرتے ہیں۔"

اس کی آواز میں درد تھا۔ ان لوگوں کے لیے ترحم تھا جن کو اللہ نے زبان تو دی تھی لیکن دنیا نے انہیں بولنے کا موقع کبھی نہیں دیا تھا۔

"یہ لوگ روز اس آس سے گھر سے نکلتے ہیں کہ صرف دو وقت کی روٹی کے لیے کچھ کما کر لے آئیں تاکہ ان کے بچے بھوکے نہ سو جائیں۔ سارا سارا دن سڑکوں پر ریڑھیوں لیے خوار ہوتے ہیں۔ صدائیں لگا لگا کر لوگوں کو اپنی طرف بلانے ہیں تاکہ لوگ ان سے کچھ خرید لیں۔ نہ گرمی کا

سوچتے ہیں نہ جاڑے کی فکر کرتے ہیں ، پہننے کو برینڈڈ جوڑے نہیں ہوتے۔ ایک ہی جوڑے میں ہفتے گزار دیتے ہیں۔ دن پھر کے تھکے ہارے جب گھر پہنچتے ہیں تو بچے باپ کی آس میں دروازے سے سر ٹکائے نظر آتے ہیں۔ آنکھوں میں چمک ہوتی ہے کہ آج ابا کچھ کھانے کو لائے ہوں گے۔ آج سوکھی روٹی کے ساتھ انڈا نہیں کھانے کو ملے گا۔ آج کچھ لیز ہو گا۔ باپ تو باپ ہوتا ہے۔ ہر اولاد کے لیے اس کا باپ اس کا بادشاہ ہوتا ہے جو اپنی اولاد کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ جو اس کے لیے دن پھر سڑکوں کی خاک چھانتا ہے کیا ان کو یہ حق نہیں کہ وہ بھی ہماری طرح اچھا کھائیں ، اچھا پہنیں اوڑھیں ، ان کے پاس بھی اچھی نوکریاں ہوں ، ان کی بچے بھی اچھے سکولوں میں پڑھیں ، وہ بھی چھٹی کے دن اپنے بچوں کے ساتھ سیر گاہوں کا رخ کریں۔"

وہ تیز تیز اور روانی سے بولے جا رہی تھی اور لوگ دم سادھے اسے سنے جا رہے تھے۔ وہ اپنے الفاظ سے لوگوں کو mesmerized کر رہی تھی۔

"لیکن افسوس ... " آواز کی تاثیر آہستہ پڑ گئی۔ "افسوس ہم اتنے بے حس ہیں کہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بس ہمیں ہی یہ سب عیش و آرام زیب دیتا ہے۔ یہ تو اس کے حق دار ہی نہیں ہیں۔ اللہ نے ہمیں عیش و آرائش سے نوازا ہے، ان کو نہیں نوازا تو پھر بھلا یہ کیسے اس سب کے حقدار ہو گئے جو ہمارے پاس ہے۔ کیا بندہ بے نیاز یہ بھول چکا ہے کہ جو کچھ اسے اس کے رب نے عطا کیا ہے اس میں سے ان کا حصہ بھی ہے۔ کیا انسان یہ بھول چکا ہے کیا اگر اس کا رب دینے پر قادر ہے تو چھین لینے پر بھی کمال قدرت رکھتا ہے۔ کیا اللہ نے اپنی پاک کتاب میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیا اللہ پاک نے ان کے حقوق نہیں بتائے۔ کیا اللہ پاک نے ان کے دل نہیں

بنائے۔ کیا اللہ پاک نے ان میں احساسات نہیں ڈالے۔ کیا اللہ پاک نے سب لوگوں کو برابر پیدا نہیں کیا۔ اگر ہاں "آواز بہت اونچی ہو گئی تھی۔" اگر ہاں تو ہم کون ہوتے ہیں خود میں اور ان میں فرق کرنے والے۔ کس نے حق دیا ہمیں ان کے ساتھ زیادتی کرنے کا۔ بتائیں۔ کیا کسی کے پاس کوئی جواب ہے؟"

کوئی کچھ نہ بولا۔ ندامت نے سب کے چہرے جھکا دیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

چار چار لوگوں کا گروپ بنایا گیا۔ وہ سب کے پاس جاتے، ان کا حال پوچھتے، ان سے بات کرتے، ان کے مسائل سنتے، ان کو راشن دیتے، کپڑے دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔ ان میں سے ایک علیزے تھی جو ایک جگہ پر رک گئی تھی۔

اس کے سامنے ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ بے حد کمزور شخص جس کے چہرے پر جھریاں تھیں۔ ان کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

"بیٹا معذور ہے۔ بہو اس کا خیال نہیں رکھتی۔ بیوی میری مر گئی۔ میرا خیال رکھنے والا بس اللہ ہے بیٹا۔ اسی کے سہارے زندہ ہوں۔" علیزے کا دل کیا زور زور سے روئے۔

"آپ نے اپنے بیٹے کا علاج نہیں کروایا۔"

"علاج کے لیے پیسے چاہیے ہوتے ہیں بیٹا اور وہ میرے پاس نہیں ہیں۔" علیزے نے یہ سوال پوچھنے پر خود کو سو بار کوسا۔ اب کیا کہے ان سے۔

"بابا پریشان کیوں ہوتے ہو۔ تمہارے بیٹے کا علاج ہو جائے گا۔ پھر وہ تمہیں کما کر دے گا۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی احمر نے آکر ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا اور ان سے کہا۔ علیزے نے رخ مو کر اسے دیکھا۔

وہ اسی طرح ان سے ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا۔ یہاں تک انہیں ہنسا بھی دیا۔

کیا تھا یہ لڑکا۔ کیوں تھا ایسا۔

علیزے کو خوف آیا اس شخص ہے۔

وہ اس کے آس پاس ایک مثبت دائرہ بنا دیتا تھا۔

امید کا دائرہ۔

خوشی کا دائرہ۔

جس کے مدار میں اسے رہنا نہیں آتا تھا۔

لیکن کیا اسے کوشش کرنی چاہیے تھی؟

احمر وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ سب میں راشن تقسیم کیا۔ لوگوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دیں وہ خوشی خوشی دعائیں وصول کرتی گئی۔ علیزے کو لگا اسے آج تک کسی نے ایسی دعائیں نہیں دیں۔ اسے ان لوگوں کی دعاؤں میں پاکیزگی دکھائی دی تھی۔ جو کسی بھی ملاوٹ سے پاک تھی۔ وہ مسکرا مسکرا کر ان کی دعائیں لیتی گئی۔ دل میں اطمینان سا اترتا جا رہا تھا۔



"جب کوئی بچہ راستے میں بھیک مانگ رہا ہوتا ہے تو اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔ جب پٹرول پمپ پر ایک بچہ گاڑی کا شیشہ صاف کرتا ہے تو اسے جھڑک دیا جاتا ہے تاکہ اسے پیسے نہ دینے پڑ جائیں۔ جب گھر کی چوکھٹ پر ایک ماں اپنی اولاد کے لئے مانگنے آتی ہے تو اسے "ڈھونگ" کا لیبل لگا کر واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ جب ایک آدمی نوکری کے لیے جگہ جگہ مارا پھرتا ہے تو اسے کم ظرفی کا طعنہ دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ کیا یہ ہے انسانیت کا معیار؟ کیا ہم اس حد تک گر چکے ہیں۔"

اس لڑکی کی آواز میں ایک رعب تھا، حقیقت دکھانے کا عکس تھا۔ وہ انھیں سچائی سے روشناس نہیں کروا رہی تھی بلکہ ان کی چھوٹی سوچ اور ان کے چھوٹے نظریے کو ان کے سامنے آشکار کر رہی تھی۔

"روز محشر جب اللہ ہم سے پوچھے گا کہ میرا فلاں بندہ تیری چوکھٹ پر آیا تھا تو نے اسے خالی ہاتھ کیوں بھیجا جبکہ تیری اتنی استطاعت تو تھی کہ تو دے سکتا۔ پھر کیوں نہ دیا؟ اس وقت ہم کیا جواب دیں گے۔"

وہ بغیر اٹکے بول رہی تھی۔ دل کا غبار تھا جو باہر نکل رہا تھا۔



بچے بہت شوق سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے تو یہ ایسے تھا جیسی آسمان سے ان کے کیے رحمت کے خزانے اتر آئے ہوں۔

کچھ لوگ بچوں کو کھانا دے رہے تھے۔

ایک طرف میڈیکل کیمپ لگا تھا۔

عورتیں بچوں کا چیک آپ کروا رہی تھیں۔

ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔

☆☆☆☆☆☆

میں کس کے نام لکھوں جو الم گزر رہے ہیں

میرے شہر جل رہے ہیں، میرے لوگ مر رہے ہیں

کوئی اور تو نہیں ہے بس خنجر آزمائی

ہم ہی قتل ہو رہے ہیں ہم ہی قتل کر رہے ہیں

صدرِ عالی وقار!

"کیا ہم نے کبھی ان مردوں کا ظرف جاننے کی کوشش کی ہے جو اپنی غربت کے باعث اپنے نفس کو

مار بیٹھے ہیں۔ ان کے دل میں بھی خواہشات ہوتی ہیں لیکن وہ ان خواہشات کا گلہ گھونٹ دیتے ہیں

لیکن وہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے آتے ہیں کہ ان کی غیرت گوارا ہی نہیں کرتی۔ ان کی

عزت نفس ان کا سب کچھ ہوتی ہے۔ بلکہ ایک عزت نفس ہی تو ہوتی ہے ان کے پاس۔ اسے بھی

لوگوں کی نظروں میں بے توقیر کر دیا تو پھر ان کے پاس کیا رہ جائے گا۔ "

"میں یہاں بیٹھے ہر انسان سے سوال کرتی ہوں کہ کیا کبھی آپ نے انہیں ایک انسان کی حیثیت سے دیکھا ہے؟ کیا کبھی امیری غریبی کے فرق کو نظر انداز کر کے ان پر کے حال پر توجہ دی ہے؟" ہال میں بیٹھے لوگوں میں سے کئی لوگوں کے چہرے ایک ساتھ جھکے تھے۔

"ہر ماہ آپ لاکھوں میں حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں لیکن ان غریبوں کو ایک دس روپہ دیتے ہوئے آپ کی شان میں کون سی کمی آجاتی ہے۔ جہاں آپ اپنے بچوں کی سالگرہ پر، گھروں کی شادیوں پہ پیسہ پانی کی طرح بہاتے ہوئے ایک سیکنڈ کے لیے نہیں سوچتے، پھر ضرورت مند لوگوں کو کھانا کھلاتے کیوں ہچکچاتے ہیں۔ آج آپ خود سے سوال کریں؟ کیا آپ ان سے برتر ہیں؟ یا وہ آپ سے بدتر ہیں؟ اگر آپ انسان ہیں تو وہ کیا ہیں۔ انہیں کیوں انسانیت کے درجے سے نیچے رکھا جاتا ہے۔ وہ تو کسی کو بددعا بھی نہیں دیتے۔ وہ تو کسی کا حق بھی نہیں مارتے۔ ارے ان کا تو خود حق مارا جاتا ہے۔ بد دعائیں تو ان کو دی جاتی ہیں۔ لیکن پھر کیوں وہ خاموش رہتے ہیں؟ کیوں اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھاتے؟ کیونکہ ان کی آواز دبا دی جاتی ہے۔ ان کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں باندھ دی جاتی ہیں۔"

کچھ لمحے وہ سانس لینے کو رکی۔

"اب یہ ہر فرد کا انفرادی فیصلہ ہونا چاہیے کہ اسے ان لوگوں کے لیے کیا قدم اٹھانا ہے۔ میں اپنی تقریر کو اس امید کے ساتھ ختم کرتی ہوں کہ آپ لوگ یہاں جس ذہنیت کے ساتھ آئے ہوں گے اب اس کے ساتھ واپس نہیں جائیں گے۔ شکریہ۔"

قطعیت سے کہتی وہ روسٹم کے پیچھے سے نکل گئی۔ کندھوں سے منوں بوجھ ہٹ گیا تھا۔

جہاں وہ اسٹیج سے اتر رہی تھی وہیں لوگ اپنی جگہوں پر کھڑے اس کے لیے بھرپور تالیاں بجا رہے تھے۔ اس کی روسم سے ہٹنے لے کر، سیڑھیاں اترنے اور واپس اپنی جگہ پہ آنے تک.. تالیوں کی آوازیں پورے ہال میں گونجتی رہیں۔

کیمرے کی آنکھ یہ سارا منظر ریکارڈ کر کے آنے والوں کے لیے وقتوں کے لیے محفوظ کر رہی تھی۔ کئی لوگوں نے اسے سٹائش کی نظر سے دیکھا تھا۔

وہ ہارے یا جیتے، وہ اپنی نظروں میں جیت چکی تھی اس کے لیے یہی کافی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہم دوست نہیں ہیں احمر"

علیزے ہاتھوں میں ایک گرم شال لیے جا رہی تھی جب اس نے احمر کو بچوں کے بیچ گھیرا دیکھا۔ وہ بچوں کے سامنے ایک گھٹنے کے بل بیٹھا تھا۔ ان سے باتیں کر رہا تھا۔ بچے اس کی باتیں سن کر ہنس رہے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ انہیں کھلونے بھی دے رہا تھا۔

علیزے رک کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے بھور بن کا وہ دن یاد آیا جب وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ تب بھی بچوں میں بچہ بن گیا تھا اور آج بھی بچوں کے ساتھ بچہ بن کر انہیں لطف اندوز کر رہا تھا۔ اس کے قدم خود بخود اس کی طرف بڑھ گئے۔ اس سے کچھ فاصلے پر وہ رک گئی اور اسے دیکھتی رہی۔

"یہ دیکھو یہ ہاتھی ہے اور ہاتھی کیا کرتا ہے؟"

وہ بچوں سے پوچھ رہا تھا۔ بچوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاتھی اپنی سونڈ میں پانی بھرتا ہے اور جو بچوں کو تنگ کرتا ہے اس کے اوپر پھینک دیتا ہے ایسے۔"

وہ ایک کھلونے والے ہاتھی سے ایکشن کر کے دکھا رہا تھا۔ بچے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنس رہے تھے۔
-علیزے منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھی۔

"یہ دیکھو یہ ایک کچھوا ہے۔" اب اس نے ایک کچھوا پکڑ لیا۔

"یہ بہت آہستہ چلتا ہے۔ اس لیے ہم اس کے پیچھے شیر بھگا دیں گے۔"

ایک شیر دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"اور یہ دیکھو کچھوا کیسے بھاگ رہا ہے۔"

ساتھ ساتھ ان کو حرکت بھی دے رہا تھا۔ بچے ہنستے چلے جا رہے تھے۔ اسے اس طرح دیکھ کر علیزے

بھی ہنس پڑی۔ احمر جو بچوں کو ہنستے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ علیزے کی ہنسی سن کر رک گیا۔ تھم گیا

۔ آہستہ سے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ جو گردن پیچھے پھینک کر ہنس رہی تھی۔ وہ بہت رसान سے اسے

دیکھے گیا۔ علیزے ہنستی چلی جا رہی تھی۔ احمر گردن ایک طرف ڈھلکائے اسے دیکھے گیا۔

کیا تھا اس لڑکی میں جو اسے اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔

کیا تھا اس لڑکی میں جو اسے سب سے منفرد بناتا تھا۔

احمر نے سوچا.... وہ گھنٹوں اسے اسی طرح ہنستے دیکھ سکتا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا تم میں یہ talent بھی ہے احمر۔"

وہ کہتی ہوئی اس تک آئی۔ احمر چہرہ جھکا کر مسکرا دیا۔ اب وہ دوسرا جانور پکڑ کر دکھا رہا تھا۔

"میں بھی تمہاری مدد کر دوں؟"

احمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور محض سر ہلا دیا۔ علیزے بھی اس سے کچھ فاصلے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"بچوں یہ بلی ہے۔ یہ meow meow کرتی ہے۔ جب کوئی اسی تنگ کرتا ہے تو یہ اسے پنچے بھی مارتی ہے۔"

وہ بھی بلیوں کی طرح meow meow کر کے دکھا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر احمر کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ ہنستے ہنستے زمین پر گر سا گیا۔ بچے بھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔

"کیا زیادہ بری acting کر رہی ہوں؟"

سب کو اس طرح ہنستے دیکھ اس نے احمر سے پوچھا۔ اس نے بمشکل ہنسی پر قابو پایا۔

"باخدا تم تو مجھ سے بھی زیادہ اچھی ایکٹنگ کر رہی ہو۔"

علیزے مسکرا دی۔ اس نے احمر سے پوچھا تھا۔ احمر نے سچ بولا تھا۔ اسے احمر کی بات پر یقین تھا۔

پھر کبھی احمر کسی جانور کے بارے میں بتاتا رہا اور کبھی علیزے۔ بچوں سمیت وہ دونوں بھی ہنس ہنس کر بے حال ہو رہے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں پانی پھر گیا تھا۔ پھر سب کو کھلونے پکڑا کر وہ اٹھ گئے۔

"تمہیں بچوں سے بہت لگاؤ ہے۔ ہے نا؟"

"بچے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں کیونکہ یہ معصوم ہوتے ہیں۔"

"تم بہت اچھے سے بچوں کو ہینڈل کر لیتے ہو۔" وہ مسکرایا۔

"میں ذرا آگے جا رہا ہوں۔ یہاں تو سب کام ہو گیا۔"

"میرا کام بھی ہو گیا ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"شیور۔"

دونوں چہل قدمی کرتے ہوئے آبادی سے تھوڑا دور نکل آئے۔ جہاں ان کے برباد ہوئے گھر تھے۔

سب مکان ڈھے گئے تھے۔ سیلاب کی وجہ سے لوگ عارضی کیمپوں میں رہ رہے تھے۔

"تھینک یو احمر۔ مجھے یہاں لانے کے لیے۔"

ان کا رشتہ شاید اتنا ہی تھا۔

مدد کرنا، تھینک یو اور سوری۔

یا یہ ایک نئے رشتے کی شروعات تھی۔

"تم جانتے ہو آج کتنے دنوں بعد مجھے سکون ملا ہے۔ جب یہ لوگ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دے رہے تھے تو ایسا لگ رہا تھا آج سے پہلے ایسی دعائیں کسی نے نہیں دی۔ ان کی باتوں میں کوئی ملاوٹ، کوئی جھول نہیں تھا۔ بس خلوص بھرا تھا۔ ان کے لیے اتنی آزمائشیں کیوں ہیں؟"

"اللہ اپنے ہر بندے سے یکساں محبت کرتا ہے۔ یہ اسی کی تقسیم ہے۔ اگر ان کے لیے اس دنیا میں اتنی آزمائشیں رکھی ہیں تو اگلے جہاں میں ان کے لیے انعامات بھی اتنے بڑے رکھے ہیں۔ امیر کے پاس پیسہ ہے لیکن یہ اس کی آزمائش ہے۔ پیسے کی کمی ہو جائے تو راتوں کو نیند نہیں آتی کہ اتنے سے پیسوں میں سارے کام کیسے پورے ہوں گے۔ زیادتی ہو تو ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو جائیں۔ اس کے برعکس ان لوگوں کے پاس پیسہ ہے نہ اس کے حوس۔ اس کے بدلے اللہ نے انہیں سکون مہیا کر رکھا ہے۔ اور امیر اس سکون سے کوسوں دور ہیں۔ یہ اللہ کے تقسیم ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔"

"تم اتنی اچھی باتیں کیسے کر لیتے ہو؟"

"اچھے لوگ اچھی باتیں ہی کرتے ہیں۔ اگلے ہفتے ایک اور tour ہے تم جانا چاہو گی؟"

"میں ضرور جانا چاہوں گی۔"

قریب میں ایک بچہ انہیں نظر آیا۔ وہ گری چھتوں میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ احمر اور علیزے باتیں کرتے ہوئے اس تک آئے۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہو بچے؟" احمر کی آواز پر اس نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ابو میرے لیے کھلونا گاڑی لے کر آئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا ابھی اس سے کھیلو۔ جب بڑے ہو گے تو بڑی والی گاڑی لا کر دوں گا۔ میں وہ کھلونا ڈھونڈ رہا ہوں۔ اگر وہ نہ ملا تو ابو ویسی ہی گاڑی کیسے لا کر دیں گے۔"

احمر کچھ لمحے بہت تاسف سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے قریب جھک کر اس کے ننھے ننھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"علی"

"علی وہ گاڑی اب نہیں مل سکتی۔ تم دیکھ رہے ہو نا کہ سب خراب ہو چکا ہے۔ لیکن اداس ہونے کی بات نہیں ہے۔ تم سکول پڑھنا اور خوب محنت کرنا اور اپنے لیے خود ویسی گاڑی خریدنا اور اپنے ابا کو بھی اس میں سیر کروانا۔ آخر بیٹے ہی باپ کا زور بازو ہوتے ہیں۔"

بچے کے ننھے سے دماغ میں ہلکی ہلکی بات گھس گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔ احمر کو اس کے ہاتھ پر کچھ سرخ سرخ سا نظر آیا۔ اس نے کلائی دیکھی تو وہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ اسے گرنے کے وجہ سے خراش آئی تھی۔

"تمہیں تو چوٹ لگی ہے۔"

علیزے بھی اس کے ہاتھ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آ... میرے پاس first aid ہے۔"

وہ اب بیگ میں سے ایک ڈبہ نکال رہی تھی۔ احمر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دیا بیگ ساتھ لائی اور ضرورت کے مطابق سامان بھی لائی۔

وہ بظاہر اس سے دوستی نہیں کرتی تھی نہ دوست مانتی تھی لیکن اسکی باتوں پر عمل کرتی تھی۔ عجیب سا رشتہ تھا دونوں کا۔ دوستی کا نہیں لیکن اعتبار کا۔ اور رشتے میں اعتبار کا ہونا دوستی سے زیادہ ضروری ہے۔

اب وہ اسکے زخم کو کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح صاف کر کے پٹی کر رہی تھی۔ احمر اسکی ایک ایک حرکت کا باخوبی جائزہ لے رہا تھا۔

"تم لاء کی اسٹڈی کر رہی ہو جس میں میڈیسن کا دور دور تک واسطہ نہیں ہے۔ پھر تم اتنے اچھے سے یہ سب کیسے کر لیتی ہو؟ مجھے یاد ہے جب میں گرا تھا اور وہ لڑکا مجھے پٹی کر رہا تھا تو تم نے اُسے بتایا تھا کہ کیسے پٹی کرنی ہے۔"

علیزے نے احمر کو دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔ پھر وہی خاموش نظریں اپنے دائیں ہاتھ پہ دوڑائیں۔
"دو وجوہات ہو سکتی ہیں یا تم نے کوئی کورس کیا ہے۔ یا تمہیں ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا اور تم بن نہیں سکی اور یہ سب اُسی شوق شوق میں سیکھا ہو گا۔" علیزے خاموشی سے پٹی کرتی رہی۔

"علی تمہاری امی پریشان ہو رہی ہوں گی تم اُن کے پاس جاؤ۔ شاباش۔"

بچہ خاموشی سے چلا گیا۔ علیزے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ احمر بھی اُٹھ گیا۔

"تم جانتے ہو میں نے تم سے دوستی کرنے سے کیوں منع کیا تھا؟" آخر کار جو بات اتنے وقت سے اس نے اپنے سینے میں دبا کر رکھی تھی اب وہ بولنے جا رہی تھی۔

اُس کا یہ جملہ سن کر احمر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اُسے لگ رہا تھا اب وہ اس پر یقین کرنے لگی ہے تو اس کے ماضی میں جو ہوا ہے وہ اسے بتا دے گی۔ پھر وہ بھی اُسے اپنے بارے میں بتا دے گا لیکن وہ غلط تھا۔ اُسے اُس بارے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"کیونکہ مجھے دو طرح کے لوگوں سے نفرت ہے۔ پہلے جھوٹ بول کر دھوکہ دینے والے اور دوسرے میرے ماضی کے بارے میں باتیں کرنے والے۔" اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔ کچھ وقت پہلے والی کوئی بات، کوئی مزاح.... سب کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ بولتی گئی۔

"دھوکہ باز لوگوں کو میں کب کا اپنی زندگی سے نکل چکی ہوں۔ اب تم میرے ماضی کو بار بار کھریدنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟"

احمر چاہتا تھا کہ وہ اُسے سچ بتا دے کہ وہ کون ہے لیکن اُسے ڈر تھا کہ علیزے اُسے غلط نہ سمجھ لے۔ وہ اُسے کھونے سے ڈرتا تھا۔ ایک دفعہ پہلے وہ اُسے کھو چکا تھا جب وہ اسکی کچھ نہ تھی اب جب وہ اس کی بہت کچھ بن چکی تھی تو وہ اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"میں تمہیں تمہارے ماضی سے آزاد کروانا چاہتا ہوں۔"

"کوئی کسی کو اس کے ماضی سے آزاد نہیں کروا سکتا احمر۔ ماضی ہماری زندگی کا حصہ ہوتا ہے اور وہ ایسے ہی ہمارے ساتھ رہے گا۔ تمہیں لوگوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے، اُنہیں پہچاننے کا ہنر

آتا ہو گا اور اسی وجہ سے تم اتنا تو جان گئے ہو گے کہ میرا ماضی کچھ خاص یاد رکھنے والا نہیں ہے۔
اور اگر تمہیں اس بات کا احساس ہو گیا ہے تو پھر کیوں مجھے اکساتے ہو کہ میں کچھ بتاؤں۔ تم زبردستی
کسی سے کچھ اگلا نہیں سکتے۔"

"میں نے کبھی تم نے زبردستی نہیں کی۔"

"لیکن تم بار بار میرے ماضی کے بارے میں بات کرتے ہو۔ آخر کیوں؟ کون ہو تم میرے؟ کیوں
میرے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟ بھور بن میں بھی تم نے یہی کہا تھا اور آج پھر۔ تب بھی میں نے
تمہیں کہا تھا کہ لوگوں کے بارے میں اتنا judgemental نہیں ہوا کرتے۔ میرا ماضی میری ذات
کا حصہ ہے اور اسے مجھ تک رہنے دو پلیز۔"

اُسے منّت بھرے انداز میں اس سے التجا کی۔

"آئی ایم سوری میں بس ایک دوست ہونے کی حیثیت سے۔۔۔۔"

"ہم دوست نہیں ہیں احمر۔ میں ایک جو نئیر کی حیثیت سے تم سے بات کرتی ہوں۔ اسے دوستی کا نام
مت دو۔"

علیزے کی اس طرح ڈائریکٹر بات پر وہ ہرٹ ہوا تھا۔ وہ غصے میں نہیں بول رہی تھی نہ ہی طنز کر
رہی تھی لیکن اس کا سرد اور انجان لہجہ احمر کو بہت بری طرح چبھا تھا۔

اُسے لگتا تھا اب وہ دونوں دوست ہیں لیکن وہ غلط تھا۔ بہت غلط۔

کیا بدلہ تھا ان دس سالوں میں۔

دس سال پہلے بھی وہ اس سے بات کرتی تھی۔ اس نے احمر کی مدد کی تھی لیکن دوست کی حیثیت سے نہیں۔ اب بھی وہ اس سے بات کرتی تھی۔ مدد کرتی بھی تھی لیتی بھی تھی مگر دوست کی حیثیت سے نہیں۔

آخر وہ اسے دوست ماننے سے انکار کیوں کرتی تھی ہمیشہ ؟
 کیا وہ اس لائق ہی نہیں تھا کہ وہ اس سے دوستی کر سکے۔
 کیا وہ خود کو اتنا حقیر سمجھتی تھی یا اس کو ؟
 کیا آگیا تھا بچ میں۔
 دس سال۔۔۔

اسکی بات سن کر وہ آسودگی سے مسکرایا۔ دل بچھ سا گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آخری بار کس بات پر اور کتنا عرصہ پہلے ہرٹ ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے لگا تھا میں ایک دوست ہونے کی حیثیت سے یہ سب کر رہا ہوں۔ لیکن میں سمجھ گیا ہوں ہم دونوں کے بچ دوستی نہ کبھی تھی اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ آئی ایم سوری اگر میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہو۔ میں آئندہ احتیاط کروں گا۔" اُسکا بچھا بچھا سا لہجہ علیزے کی نظروں سے بچ نہ پایا۔
 بے اختیار اُسے اپنے الفاظ پر پچھتاوا ہوا۔

"میرے کہنے کا وہ مطلب۔۔۔۔۔"

"نہیں تمہیں justification دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے کہنے کا وہی مطلب تھا جو تم نے کہا۔"

"don't be sorry for that"

پھر اس نے گھڑی دیکھی۔

"کافی وقت ہو گیا ہے۔ چلتے ہیں۔" وہ کچھ بھی کہے سنے بغیر آگے بڑھ گیا۔ علیزے نے بے بسی سے آنکھیں میچیں۔

دونوں واپس کیمپ کی طرف چلے گئے۔ پھر جتنا وقت وہ ادھر رہے اُس نے ضرورت کے علاوہ علیزے کو نہیں بلایا۔ بس میں بھی سفر کے دوران اس نے اُسے مخاطب نہیں کیا بلکہ اس کے آس پاس ہی نہیں بیٹھا۔ علیزے کو اپنے کیے پہ پچھتاوا ہوا تھا۔ اُسے یہ سب کچھ اتنا direct نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ آرام سے منع بھی تو کر سکتی تھی۔

جب سے یونی سٹارٹ ہوئی تھی تب سے لے کر اب تک اس نے اسکی کتنی دفع مدد کی تھی۔

اُسے اندھیرے کمرے سے نکلا، لائبریری میں کتابیں ڈھونڈ کر دیں، باسکٹ بال میچ میں اسکے حصہ کی چوٹ کھائی، ویلکم پارٹی پر اُسکا ساتھ دیا۔ کب کب اُس کی مدد نہیں کی تھی اور اس نے ایک جھٹکے میں اُسکا دل دکھا دیا تھا۔

علیزے چاہے جتنی بھی کوشش کر لے کہ اپنے ماضی کی وجہ سے کسی کو ہرٹ نہیں کرے گی لیکن وہ کر جاتی تھی۔ یہ ہو جاتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر نہیں کرتی تھی۔

اسکی آنکھ میں ہلکے ہلکے آنسو آگئے جسے اُس نے نا محسوس انداز میں انگلی کی پوروں سے صاف کر لیا۔ احمر اس وقت سب کو کھانے پینے کے چیزیں دے رہا تھا۔ صبح سے وہ لوگ ادھر تھے اب شام کے چار بج رہے تھے۔ کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ جب علیزے کی طرف بڑھا تو ایک سینڈوچ اور جوس اس کو پکڑایا۔ علیزے نے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ساتھ کچھ اور بھی تھا۔ ٹشو۔ علیزے نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

اس نے دوسرے ہاتھ کی انگلی کو آنکھ کر قریب لے جا کر اسے اپنی آنکھیں صاف کرنے کا اشارہ دیا۔ علیزے حیران رہ گئی۔

اسے کیسے پتا چلا کہ وہ رہ رہی تھی۔ اس نے تو اپنے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہونے دی تھی پھر اسے کیسے...

حیرانی سی حیرانی تھی۔

اس نے تینوں چیزیں اس سے لے لیں اور تھینک یو بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

پیچھے علیزے اپنی حرکت پر ماتم کرتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"غبارے"

دروازے پر دستک ہوئی۔ ماتھے پر کٹے بالوں والی لڑکی بھاگ بھاگ کر دروازے تک آئی۔ اس کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ دروازے پر رک کر اپنا حلیہ درست کیا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک نوجوان اپنے چہرے پر ڈھیروں غبارے لیے کھڑا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں کیک تھا۔ دروازہ کھلتے ہیں اس نے ہاتھوں میں پکڑے غبارے ایک طرف کیے اور منہ میں رکھے کاغذ کے غبارے میں ہوا بھری۔ وہ ایک شور کے ساتھ پھیلا اور پھر سکڑ گیا۔ اس نے دو تین دفعہ ایسا ہی کیا۔ وہ شخص جیسے جانتا تھا کہ دروازہ کون کھولے گا۔ لڑکی کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔

لڑکے نے غبارے اس کے سامنے لیے تھوڑا سا جھک گیا۔

“Many many congratulations for achieving first position in International speech competition..”

لڑکی نے ہنستے ہوئے غبارے پکڑ لیے۔ وہ مختلف رنگوں اور اشکال کے غبارے تھے۔

دونوں اندر آئے۔ نوجوان کیک لیے ڈاننگ ٹیبل تک گیا۔ اسے کھولا۔ تب تک وہ چھڑی لے کر آچکی تھی۔

”میں امی کو لے کر آئی ہوں۔“ تھوڑی دیر بعد وہ ماں کو ساتھ لے آئی۔ پھر کیک کاٹا۔ پہلے بھائی کو کھلایا (جو اس کی اصلی ماں نہیں) اور پھر سگی ماں کو کھلایا کھلایا۔ سب خوش تھے۔

ایک پرنٹ پیپی فیملی۔



"چشمے والی لڑکی سے باتیں"

یہ منظر ایک کمرے کا تھا۔ کمرے میں داخل ہو تو دائیں طرف ایک ڈبل بیڈ تھا جس کا کے ساتھ کراؤن بہت بڑا تھا۔ اس کے ساتھ دونوں طرف سائنڈ ٹیبلز تھیں۔ دونوں پر لیپ تھے جو اس وقت بجھے ہوئے تھے۔ سامنے بڑی سی کھڑکی جس کے بلاسٹنڈز کھلے تھے اس کے آگے سفید پردہ لگا تھا۔ اس کے ساتھ بار چھوٹی کی بار کوئی تھی۔ بیڈ کے ساتھ ایک وارڈروب الگ سے تھا جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈریسنگ مرر بھی اند ہی تھا۔ یہ کمرہ دس سال پرانے سادے سے کمرے سے بالکل مختلف تھا۔ پردے کے پیچھے بالکونی تھی۔

رات کی سیاسی ہر طرف پھیل چکی تھی۔ چاند آج کہیں نہیں تھا۔ احمر اس وقت بالکونی کی ریلنگ پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں مگ تھا جس میں بھانپ اڑتی کافی تھی۔ وہ نیچے سڑک پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں مگن تھا۔

آج سارا دن جو کچھ بھی ہوا وہ اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اپنی جانب کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر سکتا تھا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک چھوٹی عمر کی لڑکی اسٹول پر بیٹھی مسلسل پاؤں ہلا رہی تھی۔ آنکھوں پر چشمے لگائے تھے، بالوں کو فرنیچ چوٹی میں باندھا تھا۔

"تم اس سے ناراض ہو؟" چھوٹی لڑکی نے اس سے سوال کیا۔

"اس سے ناراض ہونے کے لیے اس کے ساتھ کسی تعلق کا ہونا ضروری ہے، دوستی ہونا ضروری ہے۔ وہ مجھے اپنا دوست ہی نہیں مانتی تو ناراضی کیسی؟" اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ لڑکی

نے دونوں آبرو اکٹھے کیے جیسے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ چھوٹی آنکھیں مزید چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"لیکن تم اس کی وجہ سے ڈسٹرب ہو۔" اس بات پر اسے کچھ یاد آیا۔

"تم تو اس کا ماضی ہو۔ تمہیں تو پتہ ہو گا کہ علیزے کے ساتھ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے آج وہ ایسی ہے۔" لڑکی پاؤں ہلاتے ہلاتے رک گئی۔

"تم سکول چھوڑ کر چلے گئے تھے، اگر ہوتے تو شاید تمہیں پتہ ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اب اس سوال کا جواب اس وقت کی علیزے کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ اور ویسے بھی تم اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچتے ہو؟"

"نہیں جانتا۔ بس مجھے اس کی فکر رہتی ہے۔ تم جانتی ہو آج اس نے مجھ سے جس طرح بات کی اس کے بعد اسے برا لگا تھا۔"

"اور یہ بات تم کیسے جانتے ہو؟" لڑکی اب کھڑی ہو چکی تھی۔

"کیونکہ جب ہم واپس آرہے تھے میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ رو رہی تھی لیکن اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ پر مجھے پتہ چل گیا۔"

"اور تمہیں کیسے پتہ چلا؟" لڑکا مسکرایا۔ گال کا ڈمپل واضح ہوا۔

"کیونکہ میں اسے ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے پڑھتا ہوں۔" لڑکی نے مسکراہٹ دبائی مزید قریب آئی۔

"اتنا دل لگا کر اگر کورس کی کتابیں پڑھ لو تو ٹاپ کرو۔"

لڑکا ہنسا۔

"تم ہنس کیوں رہے ہو؟ ابھی تو اداس تھے۔"

"پتہ نہیں۔"

"لیکن مجھے پتہ ہے۔"

"بتاؤ۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جھکنے کو کہا۔ پھر لڑکی اس کے کان کے قریب سرگوشی نما آواز میں بولی۔

"کیونکہ تم بیمار ہو۔" کہہ کر وہ ہنستی ہوئی پردے کے پیچھے بھاگ گئی۔

"میں بیمار ہوں۔ ایک منٹ رکو، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے پردہ ہٹایا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ البتہ سامنے سے کوئی اور چلا آ رہا تھا۔

"کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

سانے امی کھڑیں تھیں۔ احمر آس پاس متلاشی نظروں سے اس چشمے والی لڑکی کو ڈھونڈ رہا تھا۔

"دوست سے۔۔۔۔۔ کر رہا تھا۔"

"اچھا خیر۔۔۔۔۔ کافی پی لی تم نے؟" اس نے اپنے گم کی طرف دیکھا جو ان چھوا تھا۔

"آ۔۔ نہیں باتیں کرتے کرتے پتہ ہی نہیں چلا۔"

"اچھا یہ مجھے دے دو اور آکر دودھ پی لو۔" اس نے سر ہلا دیا تو وہ جانے لگیں۔

"امی۔" نگہت مڑیں کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا میں بیمار ہوں؟"

"کیوں کیا ہوا تمہیں بخار ہے؟ صبح سے تو باہر تھے۔ اپنا دھیان نہیں رکھتے نا تم، کتنے لا پرواہ ہو احمر۔ یقیناً کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہو گا۔" اس تک آنے میں انہوں نے بغیر رکے اتنے سوال کر ڈالے تھے۔ احمر کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔

"میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں۔۔ میں ٹھیک ہوں آپ خوا مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔" انہوں نے اس کا ماتھا دیکھا۔ بخار نہیں تھا۔ پھر اس سے تفصیل پوچھنے لگیں۔

"میری پیاری امی اتنا کیوں پریشان ہوتی ہیں؟"

"ایک ہی تو بیٹے ہو۔ تمہارے لیے نہیں پریشان ہوں گی تو کیا پڑوسیوں کے بیٹے کے لیے ہوں گی۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔ احمر ہنس پڑا۔

"اچھا چلیں کھانا کھاتے ہیں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" پریشان ماں کا دھیان بٹانے کا اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

وہ انہیں کندھے سے تھام کر باہر لے گیا۔ وہ اسے ہلکا ہلکا ڈانٹ رہی تھیں۔ اور وہ سوری سوری کر رہا تھا۔ آوازیں مدھم ہوئی جارہی تھیں۔



"معمول کے دن"

یونیورسٹی میں اگلے کچھ دن مصروف گزرے۔ لیکچرز کی ٹائمنگز بڑھ گئی تھیں۔ علیزے ایک کلاس سے نکل کر دوسری کلاس کی طرف بھاگتی۔ فلک اور اریبہ بھی ساتھ ہی ہوتیں۔ جو وقت بچ جاتا اس میں canteen چلی جاتیں۔ کچھ کھاتی پیتیں۔ باتیں کرتیں، ہنستی بولتیں۔ سب ٹھیک جا رہا تھا بس ایک بات چبھ رہی تھی۔ احمر اب اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ اب نظر ہی بہت کم آتا تھا۔ اگر آجاتا تو بس سلام لے کر گزر جاتا۔ نہ جواب کا انتظار کرتا، نہ کوئی بات کرتا۔ اسے بھی احمر سے کچھ کام نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے کوئی بات نہ کرتی۔ بس اگر کبھی لائبریری میں وہ کتابیں ڈھونڈ رہی ہوتی اور وہاں موجود ہوتا تو کتابیں ڈھونڈنے میں مدد کر دیتا۔ باقی کچھ بھی کرنا ہوتا اور اسے احمر کی ضرورت پڑتی تو وہ اس کے پاس نہ جاتی بلکہ کسی اور سے پوچھ لیتی اور وہ مدد کر دیتا۔

دوسری جانب احمر بھی کچھ مصروف تھا۔ اس کے بھی ٹیسٹ چل رہے تھے اسی لیے کم ہی نظر آتا تھا۔ اس دن کے بعد سے اس نے علیزے سے بلاوجہ کوئی بات نہیں کی تھی۔ راہ چلتے اگر وہ نظر آجایا کرتی تھی تو کسی نہ کسی بات کو موضوع بنا لیتا تھا لیکن اب بس سلام کر کے گزر جاتا تھا۔ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اسی لیے سلام کر لیتا تھا۔ اکثر لائبریری میں جب وہ کتابیں ڈھونڈتی نظر آتی تو اس کی مدد کر دیتا کیونکہ اب تک وہ اتنا تو جان گیا تھا کہ وہ کتابیں اکیلی نہیں ڈھونڈ سکتی۔ اس کے علاوہ بھی اگر کبھی کہیں وہ کسی سے کچھ پوچھتی نظر آتی تو خود اس کی مدد کے لیے نہیں جاتا تھا بلکہ اپنی کسی دوست کو بھیج دیتا اور علیزے کو لگتا وہ خود اپنے کام کر رہی ہے۔

اسی طرح پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مکتوب"

"تم نے وہ محاورا سنا ہے دودھ کا جلا بھی چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔"

یہ کچھ دنوں بعد کی بات ہے۔ احمر سپورٹس ہال کی سیڑھیوں پہ بیٹھا تھا جب علیزے پیچھے سے آئی۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔ ابھی لیکچر شروع نہیں ہوا تھا۔ وہ احمر سے مل کر بات کلیر کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے پوچھ پوچھ کر اس تک پہنچ گئی۔ اس سے ملاقات نہ ہو اسی لیے وہ یہاں آکر بیٹھ گیا تھا۔ نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ سامنے نہ آنا آسان تھا۔ لیکن وہ اس تک پہنچ گئی تھی۔ اس کی آواز پر بھی وہ نہ مڑا۔ علیزے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی۔ وہ اس سے کچھ steps نیچے بیٹھا تھا۔ اور وہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ درمیان میں تین چار اسٹیپس کا فاصلہ تھا۔

احمر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب بات کرنے کو بچا ہی کیا تھا۔ دوست وہ مانتی نہیں تھی۔ اور کوئی رشتہ ان کے درمیان تھا نہیں۔

"جب انسان کو کسی ایک سے دھوکہ ملا ہوتا ہے تو وہ کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔" وہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی بیگ سائڈ پر رکھ دیا۔

"اور دھوکہ جب سب سے قریبی انسان نے دیا ہو تب تو بالکل بھی نہیں۔"

احمر ابھی تک نہیں مڑا تھا ویسے ہی بیٹھا رہا۔ آج اسے صرف سننا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر بات نہیں سن سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کس دکھی دل سے سب بول رہی ہو گی۔ اور وہ اسے دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"میں ایک بہت complicated انسان ہوں۔ میرے ساتھ بہت مسئلے ہیں۔ میں اپنے ماضی سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکی۔ لیکن میں ماضی کو یاد بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ میں ماضی میں رہنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے اپنے آج میں رہنا اچھا لگتا ہے۔"

آسمان پر سفید بادل چلتے پھرتے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ کبھی ایک آگے بھاگتا، کبھی دوسرا۔ ہوا ٹھنڈی تھی۔ اور تیز بھی۔

پرندے ہواؤں کو دوش پر اپنے پورے پر پھیلائے سفر کر رہے تھے۔

"میں ہمیشہ کوشش کرتی ہوں کہ اپنے ماضی کی وجہ سے کسی کو ہرٹ نہ کروں لیکن میں کر دیتی ہوں۔ بعد میں پچھتاوا بھی ہوتا ہے لیکن مجھے منانا نہیں آتا۔ شاید اسی لیے کہ مجھے کوئی منانے نہیں آیا کبھی۔" اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ آج اس نے بالوں کو باندھا نہیں تھا۔ بس کانوں کے پیچھے اڑسائے رکھے تھے۔

احمر کو اس کی آواز گیلی معلوم ہوئی۔ بہت ضبط سے وہ بیٹھا رہا۔ نظریں اپنی ہاتھ کی طرف تھیں۔

"میں نے تم سے کہا کہ میں دوست کیسے بناؤں۔ لوگوں سے میل جول کیسے بڑھاؤں۔ احمر اگر مجھے دوست بنانے آتے یا دوستی نبھانی آتی تو میں تم سے نہ پوچھتی۔ تمہاری سمجھائی باتوں کے بارے میں،

میں نے بہت سوچا۔ میں نے اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی لیکن میرے ڈر نے مجھ سے وہ کوشش بھی چھین لی۔ ایک دو بار پہل کی لیکن پھر دل ڈر گیا۔"

احمر نے دل میں سوال کیا "کیسا ڈر؟" لیکن بولنے کی ہمت نہ کر سکا۔
ہوا ابھی تک چل رہی تھی۔ اس کے بال اڑنے کو بے تاب تھے۔

"یہی ڈر کہ اگر میں نے دوست بنائے تو وہ بھی ایک دن مجھے چھوڑ جائیں گے۔ میں پھر سے اکیلی رہ جاؤں گی۔" وہ کمال ضبط سے بول رہی تھی۔

احمر کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اسے کیسے سمجھائے کہ دوست کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا اور جو چھوڑ جائے وہ دوست نہیں ہوتا۔

"میں نے یہ بھی سوچا کہ میں جس انسان سے دوستی کے بارے میں پوچھ کر دوسرے دوست بنانے کا سوچ رہی ہوں میں اسے ہی دوست کیوں نہ بنالوں جبکہ وہ میرے ساتھ مخلص بھی ہے۔"
ہواؤں نے ایک دم سے اپنا رخ بدل لیا۔ تیز تیز ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ آس پاس پڑے سوکھے پتے ہوا میں تیرنے لگے۔

احمر کے دل پر کسی نے زور سے مارا۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

کیا اس نے واقعی وہ الفاظ کہے جو وہ دس سالوں پہلے سننا چاہتا تھا۔ کیا اس کا انتظار واقعی ختم ہونے والا تھا۔ اسے لگا اب اسے بولنا چاہیے لیکن ابھی شاید اسے بولنے دینا چاہیے۔ ہمیشہ وہ بولتا تھا وہ علیزے سنتی تھی۔ آج علیزے بولے گی اور وہ سنے گا۔

"جس نے میری ہر مشکل میں مدد کی، تب بھی جب میں اس کے لیے انجان تھی۔"
 احمر کی نظریں اپنے ہاتھ پر جمی تھیں جس میں اس نے ایک تصویر پکڑی تھی۔
 چشموں والی چھوٹی لڑکی کی تصویر۔

(احمر کو وہ وقت یاد آیا جب چشمے والی لڑکی نے اس کی مدد کی تھی جب وہ اس کے لیے انجان تھی۔)
 آسمان پر بادل اب ہولے ہولی اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ شاید وہ کھیلتے کھیلتے تھک چکے تھے۔
 "جس نے مجھے ہمیشہ سمجھایا، مجھے ہمت دی کہ میں گاسکوں، مجھے ہمت دی کہ میں ڈرائیونگ کروں،
 مجھے ہمت دی کہ میں اپنے لئے اچھے کا انتخاب کر سکوں، مجھے ہمت دی کہ میں اپنے ماضی سے باہر
 آسکوں۔"

کیا سننا اتنا دشوار ہوتا ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا۔

(اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ اس کے لیے پرنسپل کے آفس گئی تھی۔ ان سے بات کی تھی۔ اس کے
 بعد ہی احمر نے اپنے لیے اسٹیپ اٹھایا تھا)

علیزے آسمان کی جانب دیکھ کر بات کر رہی تھی شاید وہ بھی نظریں ملا کر بات نہیں کرنا چاہتی تھی
 -

وہ کہے گئی۔

"جس نے مجھے دوستی کے بارے میں سیکھایا، جو میرے ساتھ ہر قدم پر مخلص رہا۔"

مخلص۔ ہک ہا۔ اسی مخلصی نے تو ان میں دس سال کا کھڑے کیے تھے۔

(اسے وہ وقت یاد آیا جب اس نے علیزے سے دوستی کرنی چاہی تھی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس کوئی اور آگیا تھا۔)

کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو ضرور دہراتی ہے۔

آج دس سالوں بعد ماضی اپنے آپ کو دہرا رہا تھا۔

دس سال پہلے جہاں احمر کھڑا تھا آج وہاں علیزے تھی۔

احمر کو یاد تھا وہ بھی ایسے ہی ایک دن علیزے کے پاس دوستی کرنے گیا تھا لیکن پھر کیا ہوا؟ وہ ناکام واپس آگیا اور پھر دونوں کے درمیان دس سال آگئے۔ کیا وہ دونوں کبھی ان فاصلوں کو مٹا سکیں گے؟ یا یہ دس سال ہمیشہ سولی بن کے ان کے درمیان لٹکتے رہیں گے؟

دل بار بار کسی نکتے پر سوچ رہا تھا۔ اگر علیزے نے پھر سے وہی جواب دے دیا تو؟

اگر آج بھی وہ دوستی میں ناکام ہو گیا تو؟

کیا ماضی پھر سے اپنے آپ کو دہرائے گا؟

اور اگر ایسا ہوا تو اس بار احمر خاندان کا ٹوٹا دل کون جوڑے گا؟

بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"جو میرے ساتھ مخلص رہا میں اسے دوست کیوں نہ بناؤں۔ میں نے بہت سوچا اور یہی طے کیا کہ ہاں میں اسے دوست بناؤں گی۔"

بادلوں میں ایک دفعہ پھر سے جان آگئی تھی۔

وہ ایک دفعہ پھر سے روانی سے چلنے لگے تھے۔

ٹھنڈی وال کے ساتھ ڈھیروں سکون اس کے دل میں اترتا تھا۔

یعنی واقعی آج اس کا انتظار ختم ہونے والا تھا۔

وہ تصویر کو دیکھ کر مسکرایا۔

لیکن.....

مسکراہٹ ایک دم اڑن چھو ہوئی۔ دل دھڑکنا بھول گیا۔ سانس حلق میں اٹک گئی۔ فضا میں خاموشی چھا گئی۔ بادل رک گئے۔

سب چیزوں نے دم سادھ لیا۔

کیا ابھی بھی لیکن کی گنجائش تھی؟

"لیکن پھر میں نے سوچا کہ میں تو دوستی بنھا ہی نہیں سکتی۔ سب مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، میں سب کو ہرٹ کر دیتی ہوں۔ میں تو یہ دوست بھی کھو دوں گی۔ پھر کیا فائدہ دوست بنانے کا۔ تب میں نے دوستی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔"

کتنی ظالم تھی وہ۔

اتنی آسانی سے دل توڑ دینے والی بات بول گئی تھی۔

اب وہ اسے مزید نہیں سننا چاہتا تھا۔

وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

لیکن پیر ہلنے سے انکاری تھی۔

وہ وہیں بیٹھا رہا۔

فضا پھیل یاسیت سے چلنے لگی۔

ٹھنڈی ہوا میں یک دم گرمائش کا احساس ہونے لگا۔

اندر کے موسم کے ساتھ باہر کا موسم بھی بدل رہا تھا۔ کتنا اتفاق تھا نا دونوں میں۔

اب اس کا انتظار ختم ہو گیا تھا۔ اب تو سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

سب ختم شد۔

اس نے تصویر موڑ لی۔ اب کرہ کاغذ اسکی آنکھوں کے سامنے تھا۔

شاید "مکتوب" تھا۔ وہ دونوں ساتھ میں ہو سکتے تھے۔ وہ دونوں دوست نہیں بن سکتے تھے۔

اس کے درمیان "مدد کرنا، تھینک یو اور سوری" بولنے جتنا رشتہ تھا بس۔

کچھ لوگ ہماری زندگی کا حصہ کبھی نہیں بن سکتے۔

شاید یہی قسمت تھی۔

اس نے محسوس کیا شاید وہ اب بھی کچھ بول رہی تھی لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔ سننے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

پھر بھی اس نے سننے کی کوشش کی۔

کہانا... نظر انداز کرنا مشکل تھا۔

"ایسا میں چاہتی تھی لیکن دل کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آخری فتویٰ دل کا ہوتا ہے اور میں اس دفعہ اپنے دل کی سنی۔ اسی لیے میں خود کو ایک چانس دینا چاہتی ہوں۔"

بادلوں میں سنسنی خیزی ابھری۔ ہوا کا شور بلند ہونے لگا۔

احمر کو لگا اس نے سننے میں غلطی کی ہے۔ اب کی بار وہ پہلی دفعہ مڑا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں دوست بنانا چاہتی ہوں احمر۔ میں خود کو ایک چانس دینا چاہتی ہوں۔"

احمر آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تصویر اس نے نامحسوس انداز میں اپنے ہاتھوں میں چھپالی۔

نظریں علیزے کی روتی آنکھوں پر تھیں۔

"ہماری آخری ملاقات میں تم نے جاتے وقت مجھ سے ایک سوال کیا تھا۔ یاد ہے؟"

ان کی آخری ملاقات دو دفعہ ہوئی تھی۔

ایک دس سال پہلے اور دوسری بھوربن میں۔

لیکن وہ بھوربن والی ملاقات کی بات کر رہی تھی۔

اسے اپنا سوال اب بھی یاد تھا۔ لیکن وہ بولا نہیں۔

اسے یاد تھا لیکن کیا علیزے کو اس کا سوال یاد تھا؟

"تم نے پوچھا تھا اگر ہم دوبارہ ملیے تو کیا میں تمہاری دوستی قبول کروں گی۔"

("تو مطلب تم میری دوستی قبول نہیں کرو گی؟")

"تم تو جا رہے ہو تو کیا میں تمہارے واپس آنے کا انتظار کروں گی؟"

"اور تم نے کہا تھا کہ قسمت نے ملوایا تو ضرور۔"

("کیا پتہ زندگی کبھی کسی موڑ پر ملا ہی دے۔")

"ایسے اتفاق کم ہی ہوتے ہیں۔"

اس سارے میں علیزے پہلی دفعہ مسکرائی۔

"کیا اب تم "میری" دوستی قبول کرو گی۔" اس نے میری پر زور دیا۔

("مگر میں انتظار کروں گا اس دن کا جب ہم دوبارہ ملیں گے۔")

"انتظار کبھی ختم نہیں ہوتا۔ انتظار ہی رہ جاتا ہے۔"

نا جانے کیا سوچ کر اس نے ہر دفعہ کا دہرایا سوال پھر سے دہرا دیا۔

وہ اب بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا جواب ملے گا لیکن اگر وہ لڑکی خود کو ایک چانس دے رہی تھی تو اسے بھی اپنے آپ کو ایک چانس دینا چاہیے۔

"ہاں۔"

("علیزے کیا تم مجھ سے دوستی کرو گی؟"۔۔ "نہیں۔")

ماضی اور حال دونوں فلم کے طرح ایک ساتھ چل رہے تھے۔

اور اس دفعہ حال بازی لے گیا تھا۔

اسی وقت بادلوں میں شور برپا ہوا۔ اور کتنی ہی دیر رہا۔

احمر کو یقین نہیں آیا۔

کیا واقعی اس نے ہاں بولا تھا۔

"میں تم سے دوستی کروں گی مسٹر ایڈیٹ۔"

تو کیا واقعی اس کا انتظار ختم ہو چکا تھا۔

اسے یقین دہانی چاہیے تھی۔

"اس نے تم سے دوستی کر لی ہے مسٹر "ایڈیٹ"۔ کان کے قریب اس چشمے والی لڑکی نے سرگوشی کی

-

"کیا بولا تم نے؟" علیزے نے اسے مسٹر ایڈیٹ بلایا تھا۔ پہلی بار اس نے تھینک یو مسٹر ایڈیٹ بولا تھا۔ تب بھی اس نے ایسے ہی پوچھا تھا۔ شاید وہ دوبارہ مسٹر ایڈیٹ سننا چاہتا تھا۔

علیزے سمجھ گئی اور پھر سے بولی۔

"مسٹر ایڈیٹ۔"

"نہیں جو اس سے پہلے بولا تھا۔" وہ اس دفعہ کچھ اور ہی سننا چاہتا تھا۔ علیزے کو خود پر ہنسی آئی۔

"میں نے کہا مجھے تمہاری دوستی قبول ہے احمر۔"

تو بالآخر آج دس سالوں بعد اللہ نے اس کی خواہش پوری کر دی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر جھکایا۔

علیزے بھی مسکرا رہی تھی۔

"تم کبھی مکر تو نہیں جاؤ گی؟" اتنی جلدی یقین کیسے آتا۔ علیزے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"علیزے ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو دوستی کے دعوے کر کے بیچ راستے میں چھوڑ جائے۔ دوستی کی ہے تو نبھاؤں گی۔ آخری دم تک۔" احمر بھی کھل کر مسکرایا۔

لیکن اچانک مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"تمہارے پاؤں کے پاس کیا ہے؟"

علیزے نے اپنے پاؤں کی جانب دیکھا۔ وہاں ایک cockroach تھا۔ علیزے نے چیخ ماری اور سائڈ پر ہٹ گئی۔ اس کی حالت دیکھ کر احمر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم انھی silicon کے چوہوں اور cockroaches سے سب کو ڈراتی رہی ہو۔ اب خود ہی ڈر گئی۔"

اس کے بات سن کر وہ سنبھلی اور کاکروچ کو دیکھا۔ اف وہ پلاسٹک کا تھا۔ اسے ڈھیروں شرمندگی محسوس ہوئی۔

"میں.... میں ڈرتی نہیں ہوں اور یہ تم نے کیا ہے نا؟"

"باخدا اس میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔ یہ پہلے سے ہی یہاں گرا ہوا تھا۔ تم بھول رہی ہو کہ تم جونر ہو اور میں تمہارا سینئر ہوں اور مجھے پورا حق ہے تمہاری ragging کرنے کا، تمہیں تنگ کرنے کا۔ یہ حق میں شروع میں استعمال نہیں کر سکا۔ اس لیے اب کروں گا۔"

"کروں گا سے کیا مراد ہے؟"

"اپنے پاؤں کے پیچھے دیکھو ذرا۔"

"ہک ہا۔ پھر سے کوئی پلاسٹک کی چیز ہو گی۔"

"ایک دفعہ دیکھو تو۔" اس کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

علیزے نے پیچھے دیکھا تو ایک کاکروچ چلتا ہوا دکھائی دیا۔ اب کی بار وہ اصلی والا تھا۔ وہ چیخ مار کر پھر سے وہاں سے ہٹی۔ احمر ابھی تک اسے دیکھا کر ہنس رہا تھا۔

"احمر رررر میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" کہتے ساتھ ہی وہ اپنا بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے بھاگی۔ وہ بھی آگے آگے بھاگنے لگا۔

"ابھی دوستی کیے وقت ہی کتنا ہوا ہے جو تم اپنے اصل پر آگئے۔"

"یہ تو ابھی شروعات ہے بس۔"

"شروعات کے بچے رکو ذرا۔"

علیزے اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

وہ مسلسل ہنس رہا تھا۔ اس کی ہنسی کی آوازیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔ چہچہاتے پرندے اس کے ساتھ مل کر چہچہا رہے تھے۔

علیزے اس کی رفتار کا مقابلہ نہ کر سکی اور وہیں رک گئی۔ احمر ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

"تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گی۔ ایڈیٹ۔ ہونہہ۔"

پھر خود ہی ہنس پڑی۔ گردن پیچھے پھینک کر۔

آہ۔ کتنی خوبصورت لگتی تھی وہ ہنستے ہوئے۔

اس کا بھی زندگی پر اختیار تھا۔

وہ بھی ہنسنا چاہتی تھی اور زندگی نے اسے ایک موقع دے دیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی آج کے بعد اس کی زندگی کس طرح بدلنے والی تھی۔

وہ اپنے سیاہ ماضی سے نکل کر رنگینی میں آگئی تھی۔

اسے اس شخص کی دوستی مل گئی تھی جس نے اس کی دوستی کا دس سال انتظار کیا تھا۔ اور انتظار کا پھل تو ہمیشہ میٹھا ہی ہوتا ہے۔

تو طہ رہا کہ خواہشات کبھی ادھورہ نہیں رہتیں۔ وہ پوری ہو جایا کرتی ہیں۔

دعائیں کبھی رد نہیں جاتیں۔ دیر ہو یا سویر، وہ پوری ہو جایا کرتی ہیں۔

علیزے نے آسمان کی طرف دیکھا اور بس ایک لفظ ادا کیا۔

الحمد للہ

اور اس ایک شکر کے بدلے اس کے رب نے اس کے لیے بے شمار خوشیاں لکھ دی۔

کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ)

✂✂✂✂

جباری ہے

(اگلی قسط پڑھنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔۔)

جس کا لنک ہر پیج کے آخر میں دے دیا گیا ہے)